قیمت چار روپے

ملی ٹائمز

انٹرنیشنل

نئی دہلی

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

روسی حکمرانوں کی ہٹ دھرمی سے چیچنیا میں موت اور خون کی بارش

گروزنی قبرستان بن گیا
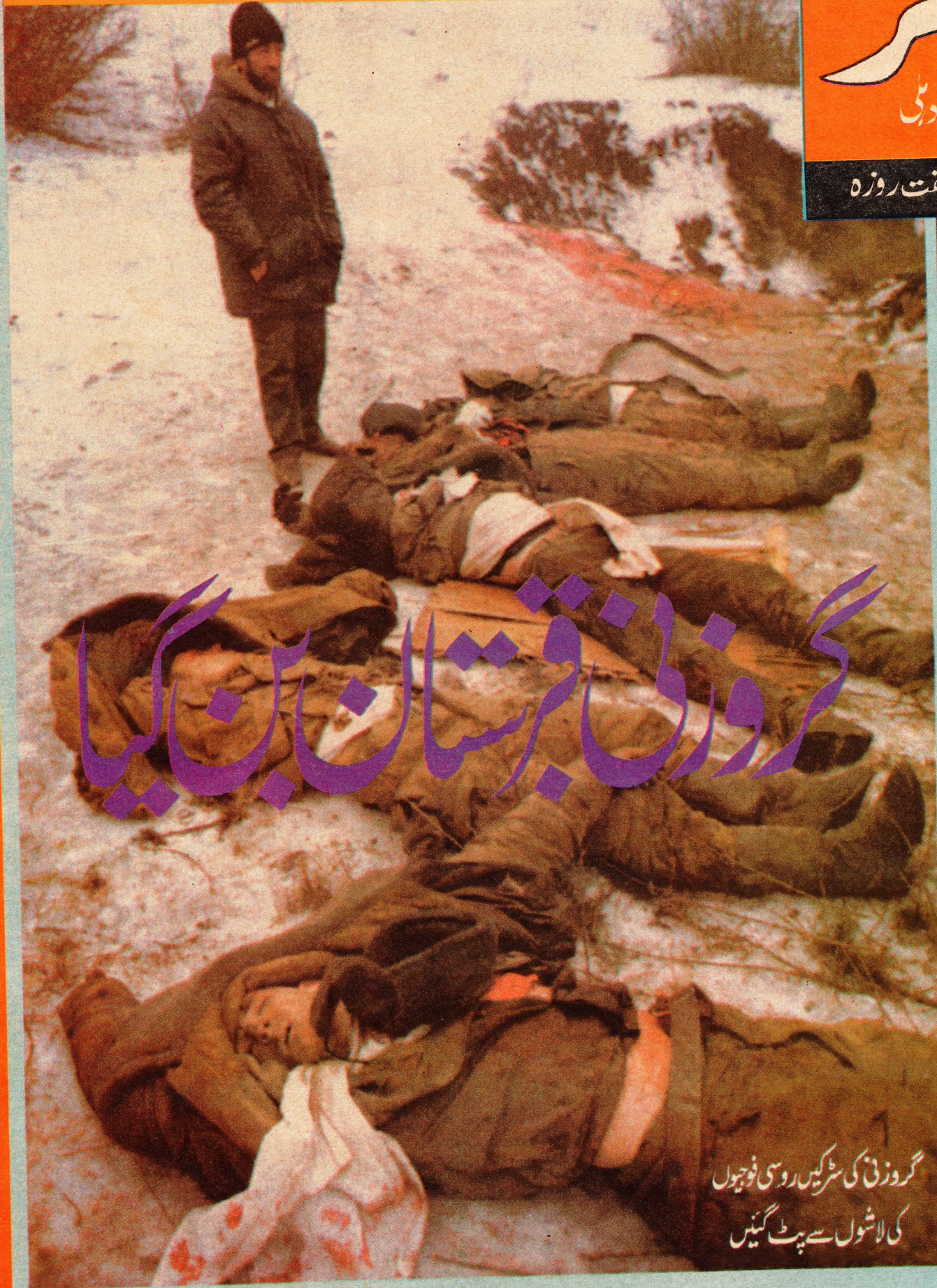
گروزنی کی سڑکیں روسی فوجیوں کی لاشوں سے پٹ گئیں
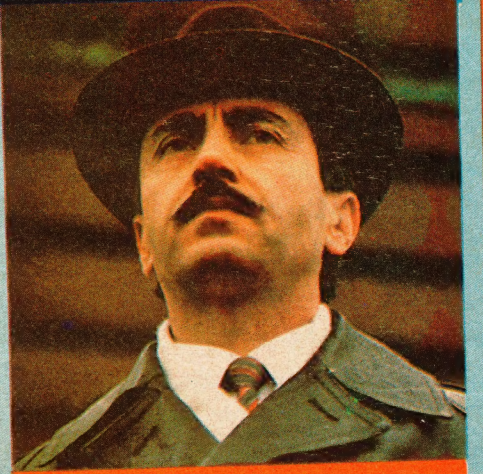
چیچنیا کے صدر دودائیف روس مخالف جہاد کی علامت بن گئے

اس شمارے میں

راؤ اور سونیا میں سیدھی ٹکر

کانگرس منجدھار میں

Country	Price
AUSTRALIA	A$3.50
BANGLADESH	Taka 20
BELGIUM	Fr 70
BRUNEI	B$4.50
CANADA	C$.3.50
CHINA	RMB 12.50
DENMARK	D. KR. 14.00
FRANCE	Fr 10
FINLAND	F. MK 10.00
GERMANY	DM3.50
HONG KONG	HK$15.00
INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)
ITALY	LIT. 3,000
JAPAN	
KOREA	W 1.800
MALAYSIA	RM 3.00
MALDIVES	Rf 12.00
NETHERLANDS	G 3.30
NEW ZEALAND	NZ$4.95
NORWAY	N. KR12.00
PAKISTAN	Rs. 15
PHILIPPINES	P 25
SAUDI ARABIA	SR 3
SINGAPORE	S$ 2.50
SRI LANKA	Rs 40
SWEDEN	Kr 15
SWITZERLAND	Fr 3
THAILAND	B 40
U.K.	£ 1.30
U.S.A.	US $ 3.00

مغرب سے دل بھر گیا اور مشرق اپنانے کو تیار نہیں

بیچاری تسلیمہ نسرین! جائیں تو جائیں کہاں؟

ایسا لگتا ہے جیسے سلمان رشدی بننے کا تسلیمہ نسرین کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ اس کا شدید احساس تسلیمہ کو بھی ہے اسی لئے وہ آج کل بہت مایوس اور دل گرفتہ ہیں، مغرب کی نام نہاد آزاد فضا میں بھی انہیں گھٹن ہونے لگی ہے، مغربی رہنماؤں سے ملاقاتیں ان کا دل نہیں بہلا پا رہی ہیں اور غالبا اسی لئے وہ اپنے ملک بنگلہ دیش یا پھر ہندوستان واپس آنا چاہتی ہیں۔ وہ بنگلہ دیش جہاں مسلمانوں نے ان کے خلاف موت کا فتوی صادر کیا ہے۔ عدالت نے غیر ضمانتی وارنٹ گرفتاری جاری کیا ہوا ہے اور جہاں بقول ان کے مذہبی بنیاد پرستوں کا بول بالا ہے اور عورتیں غلام ہیں۔ اور وہ ہندوستان جہاں انہیں بعض [illegible] میں مبتلا مسلم مخالفین اور آزاد خیال وجدت پسند افراد کی زبردست حمایت حاصل ہے اور جہاں سے انہوں نے اسلام اور قرآن مخالف بیان دے کر مسلمانوں کی دلآزاری کی مہم تیز کی تھی، آج انہیں بہت اچھے لگنے لگے ہیں۔ ان مغربی آقاؤں کی جانب سے، جن کے اشارے پر انہوں نے اسلام پر کیچڑ اچھالنے کا غلیظ کارنامہ انجام دیا تھا، شاید وہ پذیرائی نہیں مل رہی ہے جس کی انہوں نے توقع کر رکھی تھی اور جس کی طلب میں وہ راتوں رات سویڈن میں پناہ گزیں ہو گئی تھیں۔

مغرب کے تئیں ان کے بے پناہ جوش وجذبات سویڈن میں پناہ گزیں ہونے کے کچھ دنوں بعد ہی سرد پڑنے لگے تھے اور اسی لئے انہوں نے بیان دیا تھا کہ وہ بنگلہ دیش واپس آنا چاہتی ہیں اور یہ کہ وہ اپنی سزا بھی بھگتنے کو تیار ہیں اس بیان کے بعد ہی انہوں نے فرانس کا دورہ کیا تھا جہاں انہیں حسب توقع خاصی شہرت ملی اور انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ (وہاں اسلام پسند طالبات سے ان کی ملاقات کیسی رہی اس کا ذکر ذرا آگے چل کر آئے گا) وہاں سے واپسی پر انہوں نے تھائی لینڈ کا دورہ کرنے کے لئے وہاں کے سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا لیکن انہیں ٹکا سا جواب دے دیا گیا۔ تھائی حکومت نے انہیں ویزا دینے سے انکار کر دیا۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے ہندوستان آنے کا پروگرام بنایا اور ہندوستانی سفارت خانہ سے ویزا کی درخواست کی اسٹاک ہوم میں ہندوستانی سفارتخانہ میں فرسٹ سکریٹری ست بیر سنگھ سے انہوں نے ملاقات کی ست بیر سنگھ نے کہا کہ وہ اپنی ذمہ داری پر انہیں ویزا دینے کا حکم نہیں اٹھا سکتے وہ دہلی سے اجازت لے کر ہی کچھ جواب دے سکیں گے۔ بعد میں ست بیر سنگھ نے تسلیمہ نسرین سے کہا کہ انہیں ہندوستان جانے کی اجازت نہیں مل سکی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ہندوستانی حکومت نے ویزا دینے سے انکار کر دیا ورنہ خواہ مخواہ ایک خوابیدہ فتنہ از سر نو بیدار ہو جاتا اور ہندوستان و بنگلہ دیش میں ایک بار پھر طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔

یورپین پارلیمنٹ کے صدر سے ایوارڈ لیتے ہوئے تسلیمہ نسرین

اس محاذ پر ناکامی کے بعد تسلیمہ نسرین نے اپنے وکلاء کے ذریعے ڈھاکہ کی عدالت میں یہ درخواست دی کہ انہیں توہین اسلام کے الزام سے بری کر دیا جائے۔ ایک ہفتے کی شنوائی کے بعد ڈھاکہ ہائی کورٹ کے ڈویزن بینچ نے یہ اپیل خارج کر دی اور کہا کہ کیس تو بہر حال چلے گا۔ اگر عدالت نے انہیں توہین اسلام کا مجرم قرار دے دیا تو انہیں دو سال کی جیل اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے۔ تسلیمہ کا کہنا ہے کہ اگر حکومت ان کے تحفظ کی ضمانت دے تو وہ بنگلہ دیش میں سزا کاٹنے کو تیار ہیں انہیں خدشہ لاحق ہے کہ اگر وہ بنگلہ دیش آگئیں اور سویڈن سے سیدھے جیل بھی چلی گئیں تب بھی ان کی زندگی خطروں میں گھری رہے گی اور انہیں جیل میں بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال اس وقت تسلیمہ نسرین سویڈن میں ہیں وہ بنگلہ دیش آکر اپنی سزا کاٹنے کو تیار ہیں اور ساتھ ساتھ یہ ڈینگ بھی مارتی ہیں کہ میں خواتین کی آزادی کے لئے مسلم بنیاد پرستی کے خلاف لڑتی رہوں گی۔ ان کا کہنا ہے کہ میرا اخبار میرا قلم ہے اور میں خواتین میں بیداری پیدا کرنے کی مہم جاری رکھوں گی۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ بنگلہ دیش میں عورتیں غلام پیدا ہوتی ہیں اور غلام ہی مر جاتی ہیں میں انہیں اس غلامی سے نجات دلانا چاہتی ہوں۔

تسلیمہ کی ان لغویات سے قطع نظر اس کا بھی جائزہ لینے چلیں کہ مغرب انہیں کس نظر سے دیکھتا ہے۔ دراصل وہ اس بات سے بہت متاثر تھیں کہ سلمان رشدی کی مغرب میں دھوم مچی ہوئی ہے اسی لئے وہ بھی رشدی بننے کے لئے اسی راہ پر گامزن ہو گئیں۔ لیکن انہیں مغربی معاشرے میں وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جس کی وہ متمنی تھیں۔ فرانس کے معروف قلم کار ژین ایڈین ہیلیر تسلیمہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ بنگلہ دیش ایک جمہوری ملک ہے تسلیمہ اس ملک کے خلاف ناانصافی سے کام لے رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ بنگلہ دیش میں عورت غلام ہے جب کہ پارلیمنٹ میں تیس فیصد تعداد خواتین کی ہے اور مغرب میں ایسا نہیں ہے، بنگلہ دیش کی وزیر اعظم اور اپوزیشن رہنما خواتین ہیں اور مختلف میدانوں میں عورتیں پیش پیش ہیں، دراصل تسلیمہ ایسے بیان دے کر اپنی کتابیں فروخت کرنا چاہتی ہیں۔

فرانس میں ایک انسانی حقوق تنظیم کے رہنما پروفیسر جین منکوسکی بھی تسلیمہ کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تسلیمہ بنگلہ دیش کی غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہیں وہاں کی خواتین غلام نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے میدانوں میں مستحکم اور طاقتور ہیں، وہ سماجی ناانصافی تعلیم اور انسانی حقوق کے میدان میں لڑ رہی ہیں ان کا یہ کہنا

> مغرب کے تئیں ان کے بے پناہ جوش وجذبات سویڈن میں پناہ گزیں ہونے کے کچھ دنوں بعد ہی سرد پڑنے لگے تھے اور اسی لئے انہوں نے بیان دیا تھا کہ وہ بنگلہ دیش واپس آنا چاہتی ہیں اور یہ کہ وہ اپنی سزا بھی بھگتنے کو تیار ہیں

کہ شدت پسند مسلمانوں نے عورتوں کو غلام بنا رکھا ہے، سچ نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنگلہ دیش میں مسلم بنیاد پرست ہیں لیکن وہ حکومت تو نہیں کر رہے ہیں۔

فرانس کی ایک خاتون وکیل فاطمہ مراد تسلیمہ نسرین کی مذمت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ تسلیمہ اپنی تقریروں میں اسلام کو کٹر بنیاد پرست، جنونی، ظلمت پسند اور غلط قرار دیتی ہیں جب کہ ایسا بالکل نہیں ہے، اسلام کو بدنام کرنے کے لئے وہ ایسی زبان استعمال کر رہی ہیں۔

فرانس میں تسلیمہ کی ملاقات ان اسلام پسند طالبات سے بھی ہوئی جو اسکولوں میں اسلامی اسکارف پہن کر جاتی ہیں اور جن میں سے بیشتر کو اسی بنیاد پر اسکولوں سے نکال دیا گیا ہے۔ ان میں۔ حکیمہ، رحیمہ اور فاطمہ قابل ذکر ہیں، جنہوں نے تسلیمہ سے مباحثہ کر کے ان کے موقف کو غلط ٹھہرایا اور ان سے کہا کہ وہ اسلام مخالف مہم بند کر دیں۔ حکیمہ نے کہا کہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سیکولر ملک ہے لیکن یہاں انسانی حقوق کہاں میسر ہیں، ہمیں تعلیم کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ہماری بہنوں کو محض اس لئے اسکولوں سے نکال دیا گیا ہے کہ وہ اسلامی اسکارف سروں پر باندھتی ہیں۔ ہم سے اظہار خیال کی آزادی چھین لی گئی ہے۔ ہمارے اپنے لوگوں میں سے ایک نے اس کے خلاف زبان کھولی تو اسے ملک سے نکال دیا گیا (واضح رہے کہ فرانسیسی حکومت نے بہت سے مسلم انقلابیوں کو وہاں سے نکال دیا ہے) حکیمہ نے تسلیمہ کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا کہ ہمارے احساسات کیا ہیں اس کا لحاظ کئے بغیر آپ ہمیں ہمارے بھلے کی باتیں بتا رہی ہیں آپ اپنے نظریات وخیالات ہم پر تھوپ رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ اسکارف کو غیر قانونی قرار دیدینا چاہئے، آپ اسکارف کو بنیاد پرستی کی علامت کہتی ہیں اور آپ کے نزدیک ہم لوگ ظلمت پسند ہیں جب کہ ہمارے خیال میں آپ کے اندر انتہائی درجے کی عدم برداشت ہے۔ حکیمہ نے تسلیمہ سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ خواتین کے حقوق کی لڑائی لڑ رہی ہیں تو آپ کو ہمارے حقوق کی خلاف ورزی کے خلاف بھی آواز اٹھانی چاہئے اور یہاں کے نام نہاد سیکولرزم سے ہمیں بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر فرانس کا سیکولرزم ہمیں تعلیم کے حصول سے روکتا ہے تو یہ آئین کے منافی ہے ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ مذہبی بنیاد پر تعلیم کے مواقع سے محروم کرنے کے خلاف بھی آپ آواز اٹھائیں۔ حکیمہ اور ان کی سہیلیوں کی مدلل باتوں کا تسلیمہ نسرین کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

فرانس سے تھوڑی سی پذیرائی اور بہت سی تنقیدوں کا تحفہ لے کر تسلیمہ سویڈن واپس آگئیں اور اس کے بعد سے ان کے جوش وجذبات اور سرد پڑ گئے انہوں نے ہندوستان یا بنگلہ دیش آنے کی کوشش کی مگر اس میں ناکام رہیں، مغرب سے بھی دل اچاٹ ہو گیا ہے اب تو وہ اس کیفیت میں مبتلا ہیں کہ اب جائیں تو جائیں کہاں۔؟

ہم اہل مشرق جھوٹی تشہیر پر سچی محبت کو ترجیح دیتے ہیں

امریکی ناولوں، فلموں اور سلسلہ وار ڈراموں میں جس مختصر اور مسحور کن جملے کی جا بجا تکرار ہوتی ہے وہ ہے "مجھے تم سے بہت محبت ہے" گھر کی چوکھٹ پر کھڑی ہوئی ماں اپنے بچے کو اسکول کے لئے رخصت کرتے وقت کہی ہے "مجھے تم سے محبت ہے" کچھ ہی لمحے بعد یہی جملہ وہ باہر کام پر جانے والے شوہر سے بھی کہتی ہے اور جوابا شوہر وہی الفاظ اس سے کہتا ہے یا اس میں کچھ اور گرمجوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا بوسہ بھی لے لیتا ہے۔ ناول فلم اور ڈرامے میں عموما دکھایا جاتا ہے کہ عاشق ومحبوبہ یا شوہر اور بیوی کے درمیان مسائل پیچیدہ ہو جاتے ہیں لیکن تمام مشکلیں "مجھے تم سے محبت ہے" کے پر حلاوت جملے سے آسان ہو جاتی ہیں۔ غالبا بعض لوگوں نے ٹیلی ویژن پر ایک فلم "لمبی رات" کے عنوان سے دیکھی ہوگی۔ اگر اس جملے کی تکرار کا شمار کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ڈیڑھ گھنٹے کی فلم میں پندرہ بار یعنی ہر چھ منٹ پر ایک دفعہ کے اوسط سے "مجھے تم سے محبت ہے" کہا گیا تھا۔

جہاں تک مغربی معاشرے کا سوال ہے تو اس خیال سے کہ ہم کسی سے کہیں کہ "مجھے تم سے محبت ہے" بڑی ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ بلکہ چھوٹے بچوں اور اپنی اولاد سے بھی کہتے ہوئے عجیب سی جھجک ہوتی ہے غالبا قارئین میں سے بیشتر افراد اس احساس میں ایک دوسرے کے شریک ہوں۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ایسے بہت سے گھرانے ہیں جہاں یہ جملہ کسی کی زبان سے ایک بار بھی ادا نہ ہوا ہو۔ اور

> جہاں تک مغربی معاشرے کا سوال ہے تو اس خیال سے کہ ہم کسی سے کہیں کہ "مجھے تم سے محبت ہے" بڑی ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ بلکہ چھوٹے بچوں اور اپنی اولاد سے بھی کہتے ہوئے عجیب سی جھجک ہوتی ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ایسے بہت سے گھرانے ہیں جہاں یہ جملہ کسی کی زبان سے ایک بار بھی ادا نہ ہوا ہو۔ اور ایسے بہت سے شادی شدہ جوڑے مل جائیں گے جنہوں نے اپنی پوری عمر بتادی اور نہ تو مرد کی زبان سے نہ عورت کی زبان سے کبھی نکلا ہوگا کہ "مجھے تم سے محبت ہے"

ایسے بہت سے شادی شدہ جوڑے مل جائیں گے جنہوں نے اپنی پوری عمر بتادی اور نہ تو مرد کی زبان سے نہ عورت کی زبان سے کبھی نکلا ہوگا کہ "مجھے تم سے محبت ہے" اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے محبت نہیں۔ یقینا بہت سے۔ لیکن کسی مسلم حقیقت کا اعلان وتشہیر کے کیا معنی ہیں۔ یا تو ہم اپنے احساسات سے حد سے زیادہ شرمندہ ہیں یا لفظ محبت کا ضرورت سے زیادہ احترام کرتے ہیں۔ چار دہائیوں سے ازدواجی زندگی گذارنے والے لوگ بھی ہیں جنہیں یاد نہیں کہ کبھی اپنی بیویوں کے سامنے حرف محبت زبان پر لائے ہوں۔

لیکن اس کا کیا کریں کہ بعض شادی شدہ خواتین جو کچھ ٹیلی ویژن پر دیکھتی سنتی ہیں اور اس کی روشنی میں جن باتوں کا تصور کرتی ہیں اس سے وہ یہ توقع کرنے لگتی ہیں کہ گھر میں محبت افزا حالات کا اعلان کر دیں بالکل اسی طرح جیسے دوران جنگ ہنگامی حالات کا اعلان کیا جاتا ہے۔ لیکن اس جملے میں اگر سچا جذبہ ہے تو اس کا سچا اظہار کیوں نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں جس حقیقت کی طرف چشم پوشی کی جا رہی ہے یہ ہے کہ محبت کے بارے میں باتیں کرنا تو بہت آسان ہے لیکن اس کی صداقت پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح اعلان ونمائش میں جھوٹ شامل ہوتا ہے اور خاموشی میں صداقت ہوتی ہے۔ تو ہم اہل مشرق جھوٹی تشہیر پر سچی خاموشی و رازداری کو ترجیح دیتے ہیں۔

راؤ سونیا میں سیدھی ٹکر کانگریس منجدھار میں

کیا نرسمہاراؤ ارجن سنگھ کے جال میں پھنس گئے ہیں؟

سابق مرکزی وزیر ارجن سنگھ نے دو قدم آگے اور ایک قدم پیچھے چلنے کی حکمت عملی کے تحت کانگریس قیادت کے خلاف جس جنگ کا آغاز کیا تھا، محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ فیصلہ کن دور میں داخل ہوگئی ہے۔ دراصل ارجن سنگھ نے مرکزی وزارت سے استعفی دیکر راؤ کے لئے ایک خطرناک چال چلی تھی اور راؤ کو ایسی پوزیشن میں لاکھڑا کردیا تھا کہ تادیبی کارروائی ان کے لئے ناگزیر بن جائے۔ اس پوزیشن میں اگر راؤ ارجن سنگھ کو آزاد چھوڑ دیتے تب بھی ان کے حق میں بہتر نہیں تھا اور اگر وہ کوئی کارروائی کرتے تب بھی اس کا فائدہ راؤ سے زیادہ ارجن سنگھ اٹھاتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ارجن سنگھ نے نرسمہاراؤ کے لئے ایک جال بچھایا تھا اور راؤ اس میں پھنس گئے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ اول الذکر اسے اپنی جنگ بنانے کے بجائے سونیا گاندھی کی جنگ بنانا چاہتے تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ راؤ کو سونیا کے مقابل لاکر کھڑا کردیں اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب ہوگئے ہیں، وزیر اعظم نرسمہاراؤ اس سے بچنا چاہتے تھے لیکن ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ وہ سیاسی حریفوں خصوصاً ارجن سنگھ کے خلاف تادیبی کارروائی کریں۔ تادم تحریر کوئی کارروائی نہیں کی گئی ہے صرف دھمکی سے کام چلایا جارہا ہے۔ لیکن امکان ہے کہ جلد یا بدیر راؤ کو ایکشن لینا پڑے گا اور یہی لمحہ راؤ کے لئے تباہی وبربادی کا لمحہ ثابت ہوگا۔

ارجن سنگھ: میں قیادت کا دعویدار نہیں

نرسمہاراؤ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے کو پکاتے نہیں ہیں بلکہ سڑاتے ہیں ان کے اندر قوت فیصلہ کا فقدان ہے اور وہ ان کی طاقت بھی ہے اور کمزوری بھی، کسی بھی مسئلے میں کوئی فیصلہ نہ لے کر اسے اپنی موت آپ مرجانے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے لیکن ارجن سنگھ کے تعلق سے اس فارمولے پر عمل کرکے انہوں نے اپنے پیروں میں کلہاڑی ماری ہے۔ جس وقت ارجن سنگھ مستعفی ہوئے تھے اگر اسی وقت راؤ نے ان کے خلاف کارروائی کر ڈالی ہوتی تو ممکن ہے کہ ارجن کا سیاسی قد چھوٹا اور راؤ کا بڑا ہوجاتا۔ لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کرکے ارجن کی بنیاد مضبوط کی آج صورتحال یہ ہے کہ تمام ریاستوں میں ارجن سنگھ کا حلقہ وسیع ہوتا جارہا ہے، ٹمل ناڈو میں کانگریس کے صدر کو برخاست کرکے راؤ نے وہاں ابھی ارجن حامی حلقہ پیدا کردیا۔ تیواری کے تئیں سرد مہری کا رویہ اختیار کرکے یوپی میں راؤ نے ارجن حامیوں کا بہت بڑا گروپ تشکیل کردیا۔ دہلی کانگریس ایک حلقہ پہلے سے ارجن سنگھ کی حمایت کررہا ہے۔

نرسمہاراؤ نے اس خدشے کے پیش نظر ابتدا میں کوئی ایکشن نہیں لیا کہ کہیں سونیا گاندھی سے ٹکر نہ ہوجائے چند دنوں کے بعد سونیا نے ارجن سنگھ کو جواہر بھون کا ٹرسٹی نامزد کرکے راؤ کو مزید خاموش رہنے پر مجبور کردیا۔ دریں اثنا راؤ مخالفین کی سونیا سے ملاقاتیں طویل ہوتی گئیں اور یہ شبہ تقویت اختیار کرتا گیا کہ سونیا سیاست میں جلد ہی آنے والی ہیں، اچانک ایک دن نہرو خاندان قریبی محمد یونس ممبر پارلیامنٹ کی طرف سے سونیا گاندھی کے سیاست میں آنے سے متعلق انتہائی سنسنی خیز خبر شائع ہوئی۔ خبر کے مطابق سونیا کا کہنا تھا کہ میں اور میرے بچے دلی کی سڑکوں پر بھیک مانگ لیں گے مگر سیاست میں نہیں آئیں گے۔ اگلے دن سونیا کے ایک ترجمان نے اس خبر کی یہ کہتے ہوئے تردید کی کہ سونیا گاندھی نے کسی کو اپنی جانب سے اس قسم کا بیان دینے کے لئے بااختیار نہیں کیا ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کی جانب سے ایسی خبریں اخبارات میں چھپوائے۔

کہا جاتا ہے کہ اس سے نرسمہاراؤ کو اخلاقی قوت حاصل ہوئی اور مخالفین کے خلاف ایکشن لینے کا تہیہ انہوں نے کرلیا۔ اس تردید کے دو تین دن کے بعد دہلی میں منعقد یوتھ کانگریس کی ایک ریلی میں بولتے ہوئے نرسمہاراؤ نے ارجن سنگھ کا نام لئے بغیر انہیں سخت سست کہا اور کہا کہ پارٹی میں نظم وضبط کی ایک لکشمن ریکھا ہے اور کسی کو بھی اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے دو ٹوک انداز میں کہا کہ میں پارٹی کا صدر ہوں اور پارٹی کے ورکروں اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے مجھے مخالفین کے خلاف ایکشن لینے کے لئے بااختیار کیا ہے اور میں ان کی کسوٹی پر پورا اتروں گا میں کسی کو بھی پارٹی توڑنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

ویسے اپنے دور اقتدار میں راؤ نے دوبار اتنا واضح اور سخت موقف اختیار کیا ہے اور دونوں بار نشانہ ارجن سنگھ ہی تھے پہلی بار سورج کنڈ اجلاس کے دوران راؤ نے ایسا سخت اسٹینڈ لیا تھا اور ارجن سنگھ کو چھوڑ کر کئی لیڈروں کے خلاف کارروائی کی تھی۔ اس کے بعد تروپتی اجلاس میں بھی تھوڑا سا ہنگامہ ہوا تھا لیکن اس وقت معاملہ دب گیا تھا۔

نرسمہاراؤ: اب تو معاف کردیجئے

ادھر نارائن دت تیواری گروپ کھل کر کہہ رہا ہے کہ اگر ارجن کے خلاف کارروائی کی گئی تو اس کے اثرات اچھے نہیں ہوں گے۔ دوسری طرف ان کی "لکشمن ریکھا" کو بھی ہدف تنقید بنایا جارہا ہے۔ کانگریس حلقوں میں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ راؤ اس وقت حرکت میں آتے ہیں جب ان کی قیادت کو چیلنج کرنے والا کوئی پیدا ہوتا ہے۔ اگر ان کی پوزیشن پر کوئی اثر نہ پڑے اور کانگریس پارٹی تباہ ہوجائے

> مجموعی طور پر حالات دھماکہ خیز ہیں اور راؤ کی جانب سے مفاہمت کی تمام تر کوششیں ناکام ہوچکی ہیں، مجبور ہوکر انہوں نے ارجن سنگھ کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا بظاہر یہ ارجن مخالف کارروائی ہے لیکن درحقیقت یہ سونیا سے سیدھی ٹکر ہے اور اس سیدھی ٹکر کے نتیجے میں کانگریس منجدھار میں پھنس گئی ہے اور کانگریس سے زیادہ راؤ منجدھار میں پھنسے ہوئے ہیں حالانکہ راؤ یہ سمجھتے ہیں کہ سونیا سے ٹکر لینا ان کے لئے خودکشی کے مترادف ہے لیکن انہیں اس اقدام کے لئے ارجن سنگھ نے مجبور کیا ہے اور اس اقدام کے علاوہ راؤ کے سامنے کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

باقی صفحہ ۹ پر

اب ٹاڈا کو ختم کرنے کی باتیں زخموں پر نمک پاشی کے مترادف

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ پانچ ریاستوں میں ہونے والے انتخابات کے تعلق سے کانگریس میں کوئی جوش وخروش نہیں ہے، کیونکہ کانگریسی لیڈروں نے نوشتہ دیوار پڑھ لیا ہے اور اپنے شرمناک حشر سے وہ پہلے ہی واقف ہوچکے ہیں، انہیں اس کا اندازہ ہوچکا ہے کہ کسی بھی ریاست میں وہ کامیابی سے ہمکنار ہونے والے نہیں ہیں۔ ہاں اروناچل پردیش میں وہ برسر اقتدار آسکتے ہیں لیکن موجودہ سیاسی صورتحال میں اس سے حالات کی نزاکت میں کوئی تبدیلی آنے والی نہیں ہے نہ ہی مرکز کی انحطاط پذیر حالت میں اس سے کوئی فرق پڑنے والا ہے، البتہ اگر مہاراشٹر، بہار اڑیسہ میں سے کوئی ایک بھی ریاست ان کے قبضہ میں آجاتی ہے تو اس کا تھوڑا بہت فائدہ راؤ حکومت کو مل سکتا ہے، لیکن اول الذکر ریاست کو چھوڑ کر بقیہ تمام ریاستوں میں کانگریسی کشتی کے غرقاب ہونے کی پیش گوئی سیاسی معاملات میں ذرا سی دلچسپی رکھنے والا شخص بھی کرسکتا ہے، مہاراشٹر اور گجرات میں سے ممکن ہے کہ کوئی ایک ریاست کانگریس کے ہاتھ میں آجائے حالانکہ اس کے بھی امکانات بہت روشن نہیں ہیں، دوسری ریاستوں کے ساتھ ساتھ ان ریاستوں میں بھی کانگریس بوکھلائی ہوئی ہے، مہاراشٹر میں تیسرے فرنٹ کی آپسی چشمک سے کانگریس اور شیوسینا وبی جے پی کی اکھڑتی سانسیں ذرا سی بحال ہوئی ہیں لیکن اگر ووٹنگ کی تاریخ کے قریب آنے پر تیسرے فرنٹ نے سیاسی دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپسی تال میل سے کام لے لیا تو بلاشبہ کانگریس کا جنازہ نکل جائے گا۔ ان ریاستوں میں صرف ایک طاقت ایسی ہے جو کانگریس کے مردہ جسم میں نئی روح پھونک سکتی ہے، حالانکہ اس طاقت کو کانگریس حکومتوں نے بری طرح کچلا ہے، مظالم کی چکی میں پیسا ہے اور انہیں تاخت وتاراج کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اور یہ طاقت ہے مسلمانوں کی۔ مسلم ووٹ ہی کانگریس کو دفن ہونے سے بچا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کی تدفین کا تہیہ کرلیا ہے۔

کانگریس نے مسلمانوں کو للچانے، رجھانے اور ایک بار پھر اپنے دام فریب میں پھانسنے کے لئے شاطرانہ چالیں شروع کردی ہیں ٹاڈا جس کا عتاب مسلمانوں پر قیامت صغری بن کر نازل ہوا ہے اور جس نے مسلمانوں میں بار بار خوف ودہشت کا زبردست ماحول برپا کیا ہے، ٹاڈا کو ختم کرنے کی باتیں کی جارہی ہیں اس وشو ہندو پریشد جماعت کو جس نے بابری مسجد کو شہید کیا ہے اور جسے ایک بار دوسال کے لئے پابندی کے نام پر سرکاری مہمان بنایا جاچکا ہے، ایک بار پھر دوسال کے لئے غیر قانونی قرار دے کر اس پر پابندی نافذ کردی گئی ہے۔

جہاں تک ٹاڈا کا سوال ہے تو اس کے مظالم پر بہت زیادہ لکھنے کی گنجائش اب ختم ہوچکی ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کا ہی واسطہ پڑا ہے اور مسلمانوں کو خوب معلوم ہے کہ ٹاڈا کیا ہے؟ ٹاڈا کے خلاف ایک عرصے سے آواز اٹھ رہی ہے لیکن پچھلے دنوں چار ریاستوں میں ہوئے الیکشن کے موقع

لکھنؤ میں ٹاڈا کے خلاف مظاہرہ

باقی صفحہ ۹ پر

بڑے بیٹے کی حادثاتی موت اور چھوٹے بیٹے کی سیاست سے عدم دلچسپی، اسد کا خاندانی حکومت کا خواب بکھر رہا ہے

شام حافظ الاسد کے جانشین کی تلاش میں

باسل اسد حافظ الاسد کے بیٹے تھے جن کا گذشتہ سال ایک کار حادثے میں انتقال ہوگیا تھا۔ باسل کا مزار شام کے اس پہاڑی علاقے میں واقع ہے جہاں علوی فرقے کے لوگوں کی اکثریت آباد ہے اس علاقے میں نہ صرف حافظ الاسد بہت زیادہ پسند کئے

حافظ الاسد: جانشین کسے بناؤں

جاتے ہیں بلکہ باسل اسد بھی کافی مقبول تھے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی علوی فرقے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گذشتہ دنوں باسل کی موت کے ایک سال بعد ان کے مزار پر علوی فرقے کے لوگوں کا زبردست مجمع دیکھنے کو ملا دراصل باسل نہ صرف علویوں میں بلکہ سنیوں میں بھی مقبول تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے مزار پر سوگواروں کا ہمیشہ تانتا بندھا رہتا ہے۔

باسل کو حافظ الاسد اپنے جانشین کے طور پر تیار کر رہے تھے۔ باسل کی موت کے بعد حافظ الاسد کا جانشین کون ہوگا یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینے سے اکثر شامی کتراتے ہیں۔ حافظ الاسد 1970 سے برسر اقتدار ہیں۔ شام کے اچھے خاصے لوگ جن میں ان کے بعض مخالفین شامل ہیں کم از کم اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ وہ مغربی ایشیا کے سب سے زیادہ زیرک سیاستداں ہیں۔ حافظ الاسد کے مخالفین اچھی خاصی تعداد میں خود دمشق کے اندر پائے جاتے ہیں۔ مگر ان میں سے بھی بعض شامی صدر کے حامیوں کی طرح یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو شام بھی شاید لبنان کی طرح فرقہ وارانہ فسادات اور خانہ جنگی کی آماجگاہ بن جاتا۔

لیکن حافظ الاسد پہلے ہی 66 برس کے ہوچکے ہیں تقریباً دس سال قبل انہیں دل کا زبردست دورہ پڑا تھا 18 ماہ قبل ایک بار اور ان کے دل پر ہلکا حملہ ہوا تھا جس کی وجہ سے کئی ہفتے وہ بستر سے نہ اٹھ سکے تھے۔ گیارہ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی ہے چاہے وہ گھر پر ہوں یا سفر میں ان کا ذہن اب بھی چاق و چوبند ہے مگر بھکے پڑے ہوئے چہرے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی صحت کافی خراب ہے شاید یہ اندازہ لگانا غلط نہ ہو کہ شامی ارباب اقتدار نے اپنے صدر کے نئے جانشین کے بارے میں سوچنا شروع کردیا ہے۔

حافظ الاسد کے دوسرے صاحبزادے 29 سالہ بشر کو وہی رول دیا جارہا ہے جو پہلے باسل کو حاصل تھا۔ گذشتہ سال حمی کی ملٹری اکیڈمی سے انہوں نے گریجویشن کیا ہے اس واقعے کو گذشتہ سال قومی ٹیلی ویژن نے براہ راست بڑی دھوم دھام سے نشر کیا تھا بشر کے جہازی سائز کے پوسٹر دفاتر وغیرہ میں نظر آنے لگے ہیں۔ لیکن بشر اپنے بھائی باسل سے بہت مختلف ہیں وہ آنکھوں کے سرجن ہیں اور اقتدار کے نشے سے بالکل پاک وہ اپنے کام میں مگن رہتے ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس باسل کو سیاست و اقتدار سے کافی لگاؤ تھا وہ کار ڈرائیونگ گھوڑ سواری اور دوسرے کھیلوں کے کافی شوقین تھے۔

بشر کی سیاست و اقتدار سے عدم دلچسپی کی وجہ سے بعض لوگ یہ سوچنے اور کہنے لگے ہیں کہ حافظ الاسد کا شام میں خاندانی حکومت کا خواب بکھرتا ہوا نظر آرہا ہے سردست حافظ الاسد کا اقتدار ان کی اپنی ذات کی وجہ سے ہے جو فوج، جاسوسی اداروں خصوصاً خفیہ پولیس یعنی مخبرات کی وفاداری پر قائم ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ ادارے اور افراد حافظ الاسد کے بعد اپنی وفاداری ان کے بیٹے کی طرف منتقل کردیں گے۔

حافظ الاسد اور ان کے حواری علوی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اس فرقے کی کل تعداد شام کی کل آبادی کا دس فیصد بھی نہیں ہے۔ لیکن گذشتہ 24 سال سے اس نے سنی اکثریت پر اپنی حکمرانی تھوپ رکھی ہے اس فرقے نے گذشتہ 24 سالوں میں زبردست معاشی فوائد بھی حاصل کئے ہیں اس بات کا امکان ہے کہ اسی فرقے کے بعض افراد حافظ الاسد کے بعد خود اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہوں اگر ایسی صورتحال پیدا ہوئی تو شام میں خون خرابے کا بھی اندیشہ پیدا ہوسکتا ہے۔

علوی فرقے کے سربرآوردہ افراد پہلے ہی اسرائیل کے ساتھ امن کے مسئلہ پر اختلافات کا شکار ہیں بعض بااثر علوی حضرات جو شامی صدر سے کافی قریب بھی ہیں ان سے کھل کر کہنے لگے ہیں کہ شام کو نام نہاد امن کے سلسلے سے الگ ہوجانا چاہئے کیونکہ اسرائیل گولان کی پہاڑی واپس نہیں کرنا چاہتا۔ ان لوگوں کے خیال میں ایسا کرکے موجودہ کشیدہ صورتحال کو برقرار رکھنے سے بہتر ہے کہ اسرائیل کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کرلیا جائے جس سے عربوں کی نگاہ میں شام کی حیثیت متاثر ہو۔ جنگ لبنان کے ہیرو علی حیدر، جو شامی صدر کے پرانے دوست تھے، اسی نقطہ نظر کے حامی تھے مگر لگتا ہے کہ خود حافظ الاسد کو یہ پالیسی پسند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سال نومبر میں انہوں نے علی حیدر کو خصوصی دستوں کے کمانڈر کے عہدے سے برطرف کردیا تھا۔

بہت سے لوگ یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ اگر اسرائیل سے کوئی امن معاہدہ طے پاتا ہے تو شام میں بعض تبدیلیاں ضرور آئیں گی۔ خصوصاً تاجروں کا کہنا ہے کہ امن کے بڑے معاشی فوائد ہوں گے تین سال پہلے شروع کئے گئے معاشی اصلاح کے پروگرام کے ظاہری نتائج سامنے آنے لگے ہیں یعنی مرسڈیز اور دوسری قیمتی یوروپین کاریں سڑکوں پر کافی تعداد میں دیکھی جاسکتی ہیں دوکانوں میں یورپ سے درآمد کیا ہوا مال بھی کافی تعداد میں نظر آتا ہے بڑے بڑے اشتہارات چاروں طرف نظر آتے ہیں اسی طرح ڈش اینٹینا بھی ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں اگر معاشی ترقی کو ناپنے کا یہی پیمانہ ہے تو پھر شام امیری کی راہ پر گامزن ہے۔ لیکن اگر ملک کی صنعتی پیداوار فی کس آمدنی، لوگوں کی قوت خرید اور غیر ملکی زر مبادلہ کی فراہمی وغیرہ معاشی ترقی کو ناپنے کا پیمانہ ہے تو پھر شام اب بھی ایک نسبتاً غریب اور پسماندہ ملک ہے۔ شام اور تیسری دنیا کے معاشی اصلاح کے پروگراموں کی تقریب محض اہل مغرب کرتے ہیں کیونکہ ان کا مفاد اسی میں مضمر ہے۔

شام اسرائیل امن کے بارے میں یقین سے کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی گرچہ گذشتہ دنوں واشنگٹن میں دونوں ممالک کے فوجی افسروں کی ایک مٹنگ ہوئی تھی تاکہ گولان کا مسئلہ حل کیا جاسکے اگرچہ اسرائیل نے پیش رفت کا دعوی کیا ہے مگر بظاہر اس مذاکرے سے بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے

مگر شام اسرائیل امن کے بارے میں یقین سے کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی گرچہ گذشتہ دنوں واشنگٹن میں دونوں ممالک کے فوجی افسروں کی ایک مٹنگ ہوئی تھی تاکہ گولان کا مسئلہ حل کیا جاسکے اگرچہ اسرائیل نے پیش رفت کا دعوی کیا ہے مگر بظاہر اس مذاکرے سے بھی کوئی خاص نتیجہ

شہزادہ بشر: مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں

برآمد نہیں ہوا ہے اس کے برعکس شام کا رویہ سخت ہوتا نظر آرہا ہے۔ حافظ الاسد نے یہ بات کھل کر کہی ہے کہ وہ معاہدہ صرف اپنی شرائط پر کریں گے جس کا مطلب یہ کہ گولان کی پہاڑیاں حاصل کئے بغیر کسی امن پر دستخط نہیں کریں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ کسی غیر اطمینان بخش امن معاہدے سے بہتر ہے کہ موجودہ صورتحال ہی باقی رہے۔ اسد یہ بھی کہتے ہیں کہ امن کے مسئلے پر عرب پہلے ہی بہت کچھ کھو چکے ہیں جب کہ اسرائیل نے بغیر کوئی قیمت ادا کئے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ سنیوں کے خلاف امتیاز اور مظالم سے کسی کو انکار نہیں لیکن کم از کم اسرائیل کے ساتھ امن کے مسئلے پر حافظ الاسد کی پالیسی کافی حد تک اطمینان بخش رہی ہے۔ اسی طرح ان کا جانشین کوئی بھی ہو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امن سے متعلق شام کی پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔

لبنان کی دھماکہ خیز سیاست میں عارضی ٹھہراؤ

رفیق حریری 1992 میں لبنان کے وزیر اعظم ہوئے اور تب سے اب تک تین بار استعفی دے چکے ہیں وہ دراصل سیاستداں کم اور تاجر زیادہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے مزاج میں سیاستدانوں کا سا ٹھہراؤ نہیں پایا جاتا۔ وہ کھلی مارکیٹ کی طرح سیاست بھی کھلے انداز میں کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر نظر آتی ہے کہ سیاست کھلی تجارت کی طرح نہیں کی جاسکتی۔

آخری بار حریری نے 2 ستمبر 1994 کو استعفی دیا وہ لبنانی کیبنٹ کی میٹنگ میں شریک تھے کہ ان پر بالواسطہ طور پر کسی نے یہ الزام لگایا کہ بعض تعمیراتی منصوبوں مثلاً بیروت کے ایک مشہور ہوٹل کی توسیع وغیرہ کی منظوری کے لئے حریری کی جلد بازی اس لئے ہے کہ اس میں ان کا اپنا حصہ سب سے بڑا ہے یعنی تقریباً 70 فیصد۔ اس الزام کے بعد کیبنٹ میں کافی ہنگامہ رہا حریری نے میٹنگ کے ختم ہونے سے قبل ہی نکل کر باہر چلے گئے اور اپنے استعفی کا اعلان کردیا۔

حریری خانہ جنگی سے تباہ لبنان کی تعمیر نو کی غلط یا صحیح طور پر علامت تصور کیے جانے لگے ہیں انہوں نے بیروت کی تعمیر نو کے لئے ایک دس سالہ منصوبہ تیار کیا ہے۔ مگر اسے وہ 1995 کے لبنانی بجٹ کا حصہ بنانے میں ناکام رہے ہیں چند وزراء اور پارلیامنٹ کے ممبران حریری کے منصوبوں کے مخالف، خصوصاً ان کی جلد بازی کے خلاف ہیں ان لوگوں کی یہ بھی الزام ہے کہ حریری "امیر بن جانے" کی سیاست کر رہے ہیں۔ مگر ان پر سب سے زیادہ سنگین الزام یہ ہے کہ لبنان کی تعمیر نو سے متعلق ان کا منصوبہ نہ صرف ان کی سربراہی میں قائم لبنانی دولتمندوں کے حق میں ہے بلکہ یہ سب امریکہ، سعودی عرب اور اسرائیل کو فائدہ پہونچانے کے لئے بھی ہے۔

حریری کے تعمیر نو کے منصوبے میں سب سے بڑی رکاوٹ لبنان کی پارلیامنٹ ہے۔ تعمیر نو کا یہ منصوبہ حریری کا اپنا ذاتی خواب ہے مگر اچھے خاصے دوسرے لوگ بھی جن میں دولت مندوں کے ساتھ، اچھی نوکریاں ملنے کے امیدوار بھی شامل ہیں، اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ پارلیامنٹ حریری کے پورے دس سالہ تعمیری منصوبے کی یک مشت اجازت دینے کے بجائے ہر منصوبے کو علاحدہ علاحدہ بحث کرکے اس کی منظوری دینا چاہتی ہے۔

حریری کے تعمیر نو کے منصوبے میں سب سے بڑی رکاوٹ لبنان کی پارلیامنٹ ہے۔ تعمیر نو کا یہ منصوبہ حریری کا اپنا ذاتی خواب ہے مگر اچھے خاصے دوسرے لوگ بھی جن میں دولت مندوں کے ساتھ، اچھی نوکریاں ملنے کے امیدوار بھی شامل ہیں، اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ پارلیامنٹ حریری کے پورے دس سالہ تعمیری منصوبے کی یک مشت اجازت دینے کے بجائے ہر منصوبے کو علاحدہ علاحدہ بحث کرکے اس کی منظوری دینا چاہتی ہے۔ خصوصاً پارلیامنٹ اس منصوبے کو لبنان کے بجٹ سے نہیں جوڑنا چاہتی۔ کیونکہ اسے اندیشہ ہے کہ اس سے حریری کو ضرورت سے زیادہ اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ پارلیامنٹ حریری کی اس درخواست کو بھی رد کرچکی ہے کہ جو انہوں نے مزید خصوصی اختیارات کے لئے کی تھی تاکہ اپنے تعمیر نو کے منصوبے کو وہ عملی جامہ پہنا سکیں۔

حریری کے خیال میں ان کی کوششوں کو ناکام بنانے کی سب سے زیادہ ذمہ داری پارلیامنٹ کے اسپیکر نبی بیری پر عائد ہوتی ہے۔ حریری کی خواہش ہے کہ تعمیراتی منصوبوں کے بلوں کی ادائیگی کے لئے پارلیامنٹ کی منظوری ضروری نہیں ہونی چاہئے۔ گویا وہ پارلیامنٹ کو نظر انداز کرنا چاہتے ہیں۔ مگر نبی بیری اپنے اور پارلیامنٹ کے اختیارات کو کم کرنے کے موڈ میں بالکل نہیں ہیں۔ چنانچہ دونوں رہنماؤں کے درمیان مسلسل سرد و گرم جنگ جاری رہتی ہے۔ حریری کی بد قسمتی کہ اس جنگ میں جیت اکثر پارلیامنٹ اور اسپیکر نبی بیری کی ہوتی رہی ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر حریری نے تیسری بار استعفی دیا۔ مگر لبنانی صدر الیاس ہراوی کے لئے یہ قابل قبول نہیں ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ حریری کے بعد یا تو سلیم حوص یا عمر کرامی وزیر اعظم ہوں گے جن سے صدر کے تعلقات کشیدہ ہیں حریری کے بعد زیادہ امید سلیم کے وزیر اعظم بننے کی ہے جو خانہ جنگی کے اختتام کے بعد لبنان کے پہلے وزیر اعظم تھے اور دوبارہ یہ عہدہ سنبھالنے کے لئے بے چین ہیں، عمر کرامی کے امکانات مدھم ہیں کیونکہ 1992 کے فسادات کو روکنے میں ناکامی کا داغ ابھی ان کی پیشانی سے مٹا نہیں ہے۔

باقی صفحہ 16 پر

مصر اور امریکہ کے صحافیوں میں قلمی جنگ

کیا اس جنگ سے مصر اور امریکہ کے معاشی، سیاسی اور فوجی تعلقات داؤ پر لگ گئے ہیں

مصری اخبارات میں امریکہ کے خلاف چھیڑی گئی جنگ بظاہر مدھم پڑ گئی ہے لیکن اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ خود مصر کے مراعات یافتہ طبقہ میں بھی ایسے افراد ہیں جو امریکہ کے خلاف جذبات رکھتے ہیں۔ امریکہ اور مصری حکومت سے تعلق کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بلاشبہ بہت اچھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دل وضمیر کی آواز دبا کر اپنی حکومت کی امریکہ نوازی کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ لیکن اگر خود امریکہ میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگ، خصوصاً امریکی شہری اور صحافتی اگر ایسا رویہ اختیار کریں جس سے یہ تاثر ابھرے کہ مصر واشنگٹن کی کالونی ہے تو وہ اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، چنانچہ گذشتہ دسمبر میں انہوں نے جو کچھ مصری اخبارات میں لکھا اس سے کچھ ایسا ہی تاثر ملتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ مصری مراعات یافتہ طبقے کے یہ صحافی اور کالم نویس مصر وامریکہ کے موجودہ معاشی وسیاسی اور فوجی تعلقات کو قائم رکھنے کے ساتھ موجودہ سماج میں کسی تبدیلی کے خلاف ہیں کیونکہ ان کا فائدہ اسی میں مضمر ہے۔

حسنی مبارک: میں امریکہ کو ناراض نہیں کرونگا

یہ صحافتی جنگ امریکی پریس میں ایک رپورٹ کی اشاعت کے بعد شروع ہوئی ایک ہفتہ وار میگزین یو۔ ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ نے دسمبر کے آغاز میں اپنی ایک رپورٹ میں مصر پر یہ الزام لگایا کہ اس نے لیبیا کے خلاف عائد پابندیوں کو توڑ دیا ہے۔ اس کے بعد واشنگٹن پوسٹ نے بھی اپنی ایک اشاعت میں یہی الزام لگاتے ہوئے امریکی ایڈمنسٹریشن سے اپیل کی کہ وہ مصر کو کھرے انداز میں آگاہ کردے کہ حسنی مبارک نے کرنل قذافی سے جو معاہدہ کر رکھا ہے اسے ختم کردیں ورنہ اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ دراصل دو بلین ڈالر کی امداد داؤ پر تھی۔

مصری پریس واشنگٹن پوسٹ کی وارننگ پر سخت برہم ہوا۔ نیم سرکاری الاہرام نے جواباً لکھا کہ "مصر امریکہ کی کالونی نہیں ہے اور نہ ایسا کبھی ہوا باوجود اس کے کہ دونوں ملکوں کے مابین دوستی اور ایک دوسرے پر انحصار کی بنیاد پر روابط پائے جاتے ہیں۔ الاہرام نے مزید لکھا کہ امریکہ نے جو مدد مصر کی ہے اس سے کہیں زیادہ اس نے امریکہ کو ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد الاہرام نے امریکہ کے لئے مصر کی خدمات گنوائی ہیں۔ مثلاً سرد جنگ کے دوران مصر نے مغربی ایشیا میں ماسکو کے اثر کو کم کرنے میں مدد دی اسی طرح اسرائیل سے امن مذاکرات معاہدہ کا آغاز یا اقدام سب سے پہلے مصر نے کیا جس کے، بقول الاہرام کے، آج نتائج برآمد رہے ہیں۔ مزید برآں مصر نے عراق کے خلاف جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا۔ اسی طرح آج بھی الاہرام کے مطابق، مصر "جنگجویانہ اسلام" کے خلاف اگلے محاذ پر سرگرم عمل ہے جس سے نہ صرف عرب ممالک کو بلکہ مغرب کو بھی خطرہ ہے۔

قطع نظر اس سے کہ الاہرام نے وہی پرانی احیائے اسلام مخالف پالیسی اختیار کی ہے جو آج تک کرپٹ مصری اور دوسرے عرب حکام کامیابی سے برتتے رہے ہیں تاکہ مغرب کی حمایت ومدد انہیں حاصل رہے، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ غیرت وحمیت کے شعلے تو نہیں مگر چنگاریاں اب بھی مصری مراعات یافتہ طبقے میں موجود ہیں۔ مگر چونکہ یہ لوگ اپنی تن آسانیوں اور آسائشوں کو قربان نہیں کرنا چاہتے اس لئے امریکہ سے اچھے تعلقات بھی چاہتے ہیں۔ چنانچہ الاہرام نے مذکورہ سخت باتیں لکھنے کے بعد مصالحانہ رویہ اختیار کرلیا ہے، دراصل الاہرام میں اس مضمون کے لکھنے والے غزالی حرب ہیں۔ سخت سست سنانے کے بعد انہوں نے مزید لکھا ہے کہ مصر لیبیا کے خلاف اقوام متحدہ کی عائد کردہ پابندیوں پر عمل کرنے کا پابند ہے مگر اسی کے ساتھ اسے اپنے قومی مفادات کی نگہبانی بھی کرنی ہے جو بعض حالات میں امریکی مطالبات سے متصادم بھی ہوسکتے ہیں۔ لیبیا میں تین لاکھ سے زائد مصری کام کرتے ہیں اسی طرح دونوں ممالک کے تعلقات کے لئے کچھ معاہدے اور پروٹوکول بھی ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس لئے غزالی حرب کے بقول "مصر سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہیئے کہ وہ اپنے قومی مفاد کو نظر انداز کرکے امریکی مطالبات کو مان لے گا، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اپنے قومی مفادات کی نگہبانی اور لیبیا کے خلاف بین الاقوامی پابندیوں کے تحت اپنی وفاداری کے درمیان توازن پیدا کرے"

الاہرام کی طرح لبرل پارٹی کے ترجمان الاہرار نے بھی امریکہ کو اس مسئلے پر برا بھلا کہا ہے، الاحرار کے مطابق امریکی امداد کے ساتھ ایسی شرطیں وابستہ ہوتی ہیں کہ اس مدد سے صرف 10 فیصد فائدہ پہونچتا ہے اس میگزین نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ 1975 سے 1990 تک مصر نے امریکہ سے امداد کی صورت میں 15 بلین ڈالر وصول کئے ہیں جس کا تیس فیصد خود بخود امریکہ کی جھولی میں چلا گیا کیونکہ "امدادی معاہدوں" سے لگی ہوئی شرطوں کے مطابق کل مدد کی تیس فیصد کے بقدر رقم کا امریکی سامان خریدنا ضروری تھا جو یا تو گھٹیا قسم کا تھا یا ناقابل فروخت۔ الاحرار نے پتہ نہیں کیوں یہ نہیں لکھا کہ "امریکی امداد" سے چلنے والے اکثر پروجیکٹ کے ٹھیکے بھی سیاسی سطح پر مفاہمت کی وجہ سے امریکی فرموں کو مل جاتے ہیں جس سے بھی "امدادی رقم" کا ایک بڑا حصہ واپس امریکہ چلا جاتا ہے۔

مصری اخباروں میں ایسے سخت مضامین کی اشاعت کے بعد مصری حکام بوکھلا سے گئے۔ کیونکہ ان کی حکومت کا سارا دارومدار امریکی امداد پر ہے اس لئے امریکہ کو ناراض کرنے والی کسی بھی حرکت کا نوٹس لینا وہ اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جب مصری اخباروں کی طرح ممبران پارلیامنٹ نے بھی امریکہ کو آڑے ہاتھوں لیا تو خود حسنی مبارک نے مداخلت کرکے سفارتی حلقوں خصوصاً امریکیوں کو یہ یقین دلایا کہ مصر غلامی کی زنجیریں اتار پھینکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، چونکہ مصری صدر کا رویہ عوام کی خفگی کا باعث بن سکتا تھا اس لئے وزیر خارجہ عمرو موسی نے اس کی وضاحت ضروری سمجھی انہوں نے کہا کہ مصر کے امریکہ سے تعلقات بہت اچھے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امریکی مطالبات کو ماننے کا پابند ہے، عمرو موسی کے اس بیان کے بعد چراغ پا مصری صحافی ودانشور بظاہر مطمئن ہوکر خاموش ہوگئے ہیں۔ مگر آخر کب تک؟

کلنٹن: بھائی آپ اپنے صحافیوں کو سنبھالیے

> جب مصری اخباروں کی طرح ممبران پارلیامنٹ نے بھی امریکہ کو آڑے ہاتھوں لیا تو خود حسنی مبارک نے مداخلت کرکے سفارتی حلقوں خصوصاً امریکیوں کو یہ یقین دلایا کہ مصر غلامی کی زنجیریں اتار پھینکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، چونکہ مصری صدر کا رویہ عوام کی خفگی کا باعث بن سکتا تھا اس لئے وزیر خارجہ عمرو موسی نے اس کی وضاحت ضروری سمجھی انہوں نے کہا کہ مصر کے امریکہ سے تعلقات بہت اچھے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امریکی مطالبات کو ماننے کا پابند ہے، عمرو موسی کے اس بیان کے بعد چراغ پا مصری صحافی ودانشور بظاہر مطمئن ہوکر خاموش ہوگئے ہیں۔ مگر آخر کب تک؟

مقبوضہ علاقوں میں حقوق انسانی کی خلاف ورزی پر اسرائیل کو اقوام متحدہ کی پھٹکار

اسرائیل و فلسطین کے درمیان طے پائے اوسلو معاہدہ اور اس کے بعد کے نہ ختم ہونے والے دو طرفہ مذاکرات اخباری سرخیوں میں کچھ اس طرح چھائے رہے کہ فلسطین سے متعلق بعض دوسری اہم خبریں نمایاں انداز سے لوگوں کے سامنے نہ آسکیں حالانکہ وہ اسکی مستحق تھیں کہ انہیں بڑے پیمانے پر مشتہر کیا جاتا۔ اقوام متحدہ کے انچاسویں اجلاس میں امریکہ و اسرائیل کی مخالفت کے باوجود بعض ایسی قراردادیں پاس کی گئیں جن سے فلسطین اور مغربی ایشیا کے بعض بنیادی مسائل پھر سے ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ امریکہ و اسرائیل نے مشترکہ طور پر کوشش کی کہ ان قراردادوں کو اس وقت تک کے لئے ملتوی یا سرد خانے میں ڈال دیا جائے جب تک کہ مذاکرات کے ذریعہ مسئلہ فلسطین یا مغربی ایشیا کے دوسرے مسائل کا حل نہیں مل جاتا۔ مگر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی بھاری اکثریت نے اس امریکی واسرائیلی دلیل کو مسترد کر دیا۔

اقوام متحدہ نے مقبوضہ عرب علاقوں میں انسانی حقوق کی اسرائیلی خلاف ورزیوں کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی بنا رکھی ہے۔ اسی کمیٹی کی رپورٹ کی بنیاد پر جنرل اسمبلی نے بعض ایسی قراردادیں پاس کی ہیں جو امریکہ واسرائیل کے مزاج نازک پر کافی گراں گزری ہیں۔ جنرل اسمبلی نے ایک بار پھر یہ قرار داد پاس کی کہ مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیلی بستیاں غیر قانونی ہیں۔ اسرائیل سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ وہ باقی ماندہ جلاوطن کئے گئے فلسطینیوں کی وطن واپسی کا انتظام کرنے کے علاوہ ان لوگوں کو بھی رہا کرے جنہیں من مانی طور پر یا تو حراست یا قید میں رکھا جا رہا ہے۔ جنرل اسمبلی نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ گولان کی پہاڑی پر اپنی انتظامیہ، دائرہ اختیار اور قوانین کو مسلط کرنے کے فیصلہ یا پالیسی کو اسرائیل فی الفور ختم کرے اور یہ اعلان بھی کرے کہ ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔

> اقوام متحدہ نے مقبوضہ عرب علاقوں میں انسانی حقوق کی اسرائیلی خلاف ورزیوں کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی بنا رکھی ہے۔ اسی کمیٹی کی رپورٹ کی بنیاد پر جنرل اسمبلی نے بعض ایسی قراردادیں پاس کی ہیں جو امریکہ واسرائیل کے مزاج نازک پر کافی گراں گزری ہیں۔ جنرل اسمبلی نے ایک بار پھر یہ قرارداد پاس کی کہ مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیلی بستیاں غیر قانونی ہیں۔

امریکہ نے اس قرارداد کے خلاف ووٹ دیا جس میں فلسطینیوں کے حق خود اختیاری کی بات کہی گئی ہے۔ امریکی نمائندے نے لبنان سے متعلق کسی بھی قرارداد میں اقوام متحدہ کی قرارداد نمبر 425 کی شمولیت پر اعتراض کیا جس میں اسرائیل سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ جنوبی لبنان پوری طرح خالی کر دے۔ اس اجلاس میں لبنانی نمائندے سمیر مبارک نے یہ شکایت کی کہ 1991ء سے لبنان امریکی دباؤ کی وجہ سے سیکورٹی کونسل کا اجلاس بلانے کے حق سے محروم رہا ہے۔ امریکی دلیل ہمیشہ یہ رہی ہے کہ جنوبی لبنان کے مسئلہ پر سیکورٹی کونسل کے اجلاس کا انعقاد مغربی ایشیا میں امن کی پیش رفت پر منفی طور پر اثر انداز ہوگا۔

جنرل اسمبلی نے بہرحال مغربی ایشیا میں امن کے قیام کے لئے جاری کوششوں اور مذاکرات کی حمایت کی۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ طے کئے گئے معاہدے پوری اور اچھی طرح وقت پر نافذ کئے جائیں۔

بقیہ: چیچن مسلمانوں کا دو سو سالہ جہاد

تقلیب کے مد نظر لندن کے سنڈے ٹائمز کا مشاہدہ ہے کہ صدر کلنٹن نے سابق سوویت یونین کے ممالک میں روس کو فوجی مداخلت کی اجازت دیدی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ روس کھل کر باغی عمراوتو خانوف کی حمایت کر رہا ہے اس امید میں کہ چیچنیا کے صدر دودائیف کو عہدے سے برطرف کرکے اس کی آزادی سلب کرکے اس کا انضمام کرلیا جائے گا۔ وہ اس امید سے بھی باغی کا ساتھ دے رہا ہے کہ چیچنیا روسی وفاق میں پھر سے واپس آجائے۔

اس ضمن میں دیگر اخبارات مثلاً گارڈین نے بھی ایسی ہی رپورٹیں دی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ روسی فوجیں بھی چیچنیا کی حکومت کی مخالفت میں براہ راست ملوث ہوگئی ہیں جس کا ثبوت چیچنیا کی ہوائی پٹی پر روسی ہیلی کاپٹروں کا حملہ ہے غرض کہ روس چیچنیا کی تین سالہ آزادی کو مداخلت اور براہ راست دراندازی سے اسے روسی وفاق میں دوبارہ واپس لانا چاہتا ہے۔ (بشکریہ مسلم ورلڈ لیگ جرنل)

امن معاہدوں کے خلاف اور بھی محاذ کھل سکتے ہیں

فلسطینیوں میں اسرائیلی مخالف رجحانات کے اسباب کا جائزہ

18 نومبر کو غزہ میں فلسطینی پولس اور مصلیوں کے درمیان ہونے والے افسوسناک حادثے نے بعض ایسے شکوک و سوالات کو جنم دیا ہے جس سے امن کی کوششوں اور صحیح راہ پر لے جانے والی قابل عمل پالیسیوں پر منفی اثر مرتب ہوگا۔

واشنگٹن میں 13 ستمبر 1993 کو ہوئے فلسطین، اسرائیل معاہدے کی مخالفت اسی دن سے شروع ہو چکی تھی اور جب فلسطین میں قومی حکومت کے قیام کے امید افزا نتائج برآمد نہیں ہوئے تو اس مخالفت میں اور شدت آتی گئی۔ معاہدے کے مخالفین میں سے اکثر کا خیال یہ تھا کہ اس سے فلسطینی عوام کے حق خود اختیاری اور قیام سلطنت کی آرزو کی تکمیل نہیں کرتا بلکہ یہ ایک طرح کا اسرائیلی حکومت کا پروانہ ہے۔ ان کے دعوؤں میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ معاہدہ نصف صدی سے چلتے آئے تنازعے کے حل کی ابتداء ہے اور غزہ اور مغربی پٹی میں حالات کو معمول پر لانے کے لئے مذاکرات میں پانچ سال لگیں گے تاکہ فلسطینی عوام کو صحیح معنوں میں اپنا حق مل سکے۔

اس معاہدے کے نفاذ کا آغاز بعض ان فلسطینی ذہنوں کو مضطرب کر رہا تھا کہ جنہوں نے ارض فلسطین پر قومی اور جمہوری حکومت کے قیام سے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

دوسری جانب امن کے خواہاں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں اس کا احساس تھا کہ راہ کی صعوبتوں اور خطرات کے باوجود وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور دوستوں کے تعاون سے فلسطین کے حق خود اختیاری کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے۔ فلسطین۔ اسرائیلی مذاکرات میں قومی قیادت کی سطح پر تعلیم، ٹیکس اور سیاحت کے میدانوں میں پیش رفت بھی ہوئی لیکن دلوں کی کچھ اس سے تشفی نہ ہو سکی جس سے اپنے پسندیدہ نتائج تک پہنچنے کی عجلت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں مشکل یہ تھی کہ اسرائیلی حکومت پی ایل او کی ترجیحات و خواہشات کا جواب دینے میں متعدی کا اظہار نہیں کر رہی تھی جو اس سے ظاہر ہے کہ اسرائیل نے ذاتی حکومت کے علاقوں میں اسرائیلی کالونیوں کو اسی طرح رہنے دیا۔ فلسطینیوں کو کام پر جانے سے روکا اور بعض دہشت گردانہ واقعات پیش آئے جس سے غزہ پٹی کی معیشت اور بھی متاثر ہوئی اور عام فلسطینیوں میں اسرائیلی تسلط کا احساس اور بھی گہرا ہوتا گیا۔

اس اسرائیلی موقف کے نتیجے میں بعض یورپی ممالک کی طرف سے سیلف رول کے علاقوں کے لئے موعود امداد کی پیش کش میں بھی تاخیر اور وہاں کی زندگی اور مشکل ہوگی۔ ایسی فضا میں جسے جنگ کے دائرہ کار میں نہیں بلکہ امن کے دائرہ کار میں عرب اسرائیل تنازعے سے تعبیر کیا جا رہا ہے بعض لوگوں نے بغاوت اور دہشت گردی کا راستہ اختیار کیا ہے تاکہ وہ اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈال سکیں حالانکہ انہیں معصوم لوگوں کی ہلاکت کا اندازہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ احساس ہے کہ تشدد کے نتیجے میں تشدد ہی جنم لیتا ہے اور یہ کہ اس طرح کے اقدامات نہ صرف امن کی کوششوں کو باطل کر دیں گے بلکہ پورے منطقے کو لامتناہی حرب و قتال میں جھونک دیں گے۔ ان حالات میں جب کہ مقامی اور بیرونی دونوں سطحوں پر فلسطینیوں کی نمائندہ پی ایل او کو حمایت و تعاون کی اشد ضرورت ہے، تشدد اور باغیانہ رویہ کسی طرح درست نہیں ہے۔ اس تاریخی مرحلے میں تشدد و بغاوت نے فلسطینیوں کی وحدت کو بھی متاثر کیا ہے جس کا اظہار فلسطینی قومی حکومت کے ذمہ داران کے اس احساس سے ہوتا ہے کہ انہیں خود اپنے ہی اندر کی باغی قوتوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہے۔

18 نومبر کا حادثہ اور اس سے ملتے جلتے دیگر واقعات اور ان کے تس ردعمل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ شاید کہیں رک جائے کیوں کہ جن عوامل سے ان حادثات کو ہوا ملتی ہے وہ ہنوز موجود ہیں اور بذات خود سیاسی نظر کے فقدان کے غماز ہیں ان میں سے چند کی نشاندہی یہاں کی جا رہی ہے۔

1۔ اسرائیلی کالونیوں کو اپنی جگہ باقی رکھنے کا اسرائیلی موقف بارودی تاثیر کا حامل ہے اور فلسطینیوں کے احساس کو مجروح کر رہا ہے اور ان کے لئے اقتصادی صعوبتیں پیدا کر رہا ہے۔ کیوں کہ امن مذاکرات سے پہلے بھی اسی اسرائیلی موقف نے فلسطین میں بغاوت اور تشدد کی فضا کو ابھارا تھا جو امن کے مقصد کے لئے ہر اعتبار سے مہلک تھا۔ اگر اسرائیل کو واقعی امن کے قیام میں دلچسپی ہے تو اسے اپنے موقف پر نظرثانی کرنی چاہئے۔

2۔ وہ طبقہ جسے فلسطین کی قومی وحدت عزیز نہیں ہے اور اسے اولیت نہیں دیتے ان کا یہ خیال شعور کے فقدان کی دلیل ہے کیوں کہ یہ انداز فکر فلسطین کی تقسیم کے بعد فلسطینیوں کو تقسیم کرنے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

3۔ فلسطینیوں سے مالی اعانت کا وعدہ کرنے کے بعد اس کے نفاذ میں بعض ممالک کی طرف سے بے توجہی اور نتیجتاً غزہ کے باشندوں کو مختلف مصائب سے گذرنا بھی ان ممالک کے سیاسی شعور کی ناپختگی کا پتہ دیتا ہے کیوں کہ یہ طریقہ کار امن کی راہ میں رکاوٹ بننے کے ساتھ ساتھ تشدد اور بغاوت کو ہوا دیتا ہے۔

4۔ فلسطینی عوام کو حق خود اختیاری سے متعلق اقوام متحدہ کی قرارداد سے انحراف کا امریکی اور اسرائیلی موقف ان دونوں کی کوتاہی، نظر پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ انہوں نے اقوام متحدہ کے ایک مسلم ضابطہ کی خلاف ورزی کی ہے اور یہ بھی ان کے علم میں ہے کہ حق خود اختیاری ان کے منصوبوں سے متعارض نہیں ہوتا جو اپنے آخری مراحل میں ہے۔ اسی طرح امریکی حکومت کے اس اعلان نے بھی کہ امریکہ شام کے ساتھ امن قائم کرنے کے صلہ میں اسرائیل کی ہر طرح کے اسلحوں سے مدد کرے گا عرب حلقوں میں شدید رد عمل کا سبب بنا ہے۔

5۔ مکمل اور منصفانہ امن کے حصول کے بغیر اسرائیل سے اقتصادی روابط کے قیام کے لئے بعض عرب ممالک کی جانب توڑ کوشش بھی اسی کوتاہی، ہم کی غماز ہیں کیوں کہ اس سے پورے منطقہ پر اپنے اثر اور رعب کو مزید مستحکم کرنے کے اسرائیلی ارادوں کو تو تقویت ملے گی ہی ساتھ امن مذاکرات اور امن معاہدوں کی مخالفت میں نئے محاذ بھی کھل جائیں گے۔

ایمن راضی نے اسرائیلیوں پر خودکش حملہ کر کے اس جنگ کو تیز کر دیا۔

یہودی بستی کی توسیع کے خلاف بطور احتجاج ایک فلسطینی نے اسرائیلی بلڈوزر کو روک دیا۔

> اسرائیلی کالونیوں کو اپنی جگہ باقی رکھنے کا اسرائیلی موقف بارودی تاثیر کا حامل ہے اور فلسطینیوں کے احساس کو مجروح کر رہا ہے اور ان کے لئے اقتصادی صعوبتیں پیدا کر رہا ہے۔ کیوں کہ امن مذاکرات سے پہلے بھی اسی اسرائیلی موقف نے فلسطین میں بغاوت اور تشدد کی فضا کو ابھارا تھا جو امن کے مقصد کے لئے ہر اعتبار سے مہلک تھا۔ اگر اسرائیل کو واقعی امن کے قیام میں دلچسپی ہے تو اسے اپنے موقف پر نظرثانی کرنی چاہئے۔

امریکی خواتین سعودی مردوں سے شادی نہ کریں

امریکی وزارت خارجہ کا ایک شر انگیز پوسٹر

امریکن عرب اینٹی ڈسکریمنیشن کمیٹی (اے ڈی سی) نے مطالبہ کیا ہے کہ امریکی وزارت خارجہ سعودی عرب میں شادی کرنے کا ارادہ رکھنے والے افراد کی رہنمائی کی خاطر لکھے گئے پمفلٹ کی تقسیم و تشہیر پر پابندی لگادے۔ حالانکہ اس کا عنوان "سعودیوں سے شادی" بظاہر بے ضرر معلوم ہوتا ہے لیکن اے ڈی سی کے چیئرمین جیمس ابورزق کا الزام ہے کہ اس پمفلٹ کا مقصد امریکی خواتین کی سعودیوں سے شادی کرنے کی حوصلہ شکنی کے علاوہ بہت کچھ ہے۔ یہ پمفلٹ ایک ایسی رپورٹ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں سعودی مردوں اور ان کی تہذیب کی منفی تخیلی تصویر پیش کی گئی ہے۔

پمفلٹ کے مطابق بیشتر سعودی مرد شاطرانہ فطرت کے ہوتے ہیں جب وہ امریکہ سے سعودی عرب واپس آتے ہیں تو اپنے روایتی حلیے میں آجاتے ہیں۔ وہ اپنی پرانی زبان بولنے لگتے ہیں اور اپنے مقامی بیوی بچوں کی ذمہ داریوں میں محو ہو کر امریکی بیوی کو ایک طرف ڈال دیتے ہیں جو ایک نئے ملک نئی زبان نئے خاندان اور نئے شوہر سے نباہ کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارتی ہے۔ کسی سعودی مرد نے چاہے امریکہ میں تعلیم کے سلسلے میں ایک سال کا وقت گذارا ہو یا آٹھ سال کا، آنا ہے اسے اپنے قبیلے میں ہی جہاں وہ سعودی سماج کا بن کر رہے گا اور تمام تر سماجی اور تجارتی روابط و معاملات میں درجہ بند خاندانی مراتب کا پابند ہو کر کام کریگا۔

امریکی خواتین جن سے خانگی نظم و ضبط کی خصوصیت کبھی وابستہ نہ رہی اس طرف سے خاصی پریشان نظر آتی ہیں کہ سعودی لڑکے اور لڑکیاں بہت لاپرواہ ہوتے ہیں اور گھر میں بدنظمی پھیلاتے ہیں۔ پمفلٹ میں آگاہ کیا گیا ہے کہ "جب مختلف رشتے داروں کے لڑکے گھر میں ہنگامہ اور شور و غل مچا رہے ہوں تو امریکن بیوی صرف خاموشی کے ساتھ کڑوا گھونٹ پی سکتی ہے۔" اس کے علاوہ بہت سی امریکی مائیں اپنے بچوں کی ہر وقت دیکھ بھال کرنے کے خیال سے خائف ہیں۔ ڈرائیور کے ساتھ بھی وہ چند جگہوں پر ہی جا سکتی ہیں۔ اگر طلاق ہو جائے تو انہیں اپنے بچوں کو خیرباد کہنا ہوگا۔ پمفلٹ میں کہا گیا ہے کہ شرعی عدالت کا مقصد صرف یہ ہے کہ بچے کی تعلیم و تربیت اچھے مسلمان کی حیثیت سے ہو۔ کسی امریکی عورت نے اسلام قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو اس تعصب پر کبھی قابو نہیں پا سکتی۔

ابو رزق کا کہنا ہے کہ یہ پمفلٹ سعودی۔ امریکی شادیوں کی حوصلہ شکنی کی حکومتی سطح پر ایک کوشش ہے۔ انہوں نے خاص طور پر اس جانب اشارہ کیا ہے کہ چونکہ سعودی قانون امریکی خواتین کی توقعات کا تضاد ہیں اس لئے طلاق کی صورت میں انہیں بدترین صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ پمفلٹ کی آخری سطور میں کہا گیا ہے کہ "یہ طے کرتے وقت کہ ازدواجی رشتے کی سرحدوں میں قدم رکھنا مناسب ہوگا، سعودی عرب کے جغرافیے اور اسلام کی اس کی مخصوص تعبیر امریکی خواتین کے پیش نظر رہنی چاہئے۔"

> حالانکہ اس کا عنوان "سعودیوں سے شادی" بظاہر بے ضرر معلوم ہوتا ہے لیکن اے ڈی سی کے چیئرمین جیمس ابورزق کا الزام ہے کہ اس پمفلٹ کا مقصد امریکی خواتین کی سعودیوں سے شادی کرنے کی حوصلہ شکنی کے علاوہ بہت کچھ ہے۔ یہ پمفلٹ ایک ایسی رپورٹ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں سعودی مردوں اور ان کی تہذیب کی منفی تخیلی تصویر پیش کی گئی ہے۔

روسی حکمرانوں کی ہٹ دھرمی سے گروزنی قبرستان بن گیا ـــ مگر

چیچنیا کی آزادی کی جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے

چیچنیا کا دارالحکومت گروزنی، آگ اور خون کے دریا سے گزر رہا ہے۔ تازہ اطلاعات کے مطابق روسی فوجیں صدارتی محل پر قابض ہو گئی ہیں۔ اور وہاں اب روسی جھنڈا لہرا رہا ہے۔ روسی فوجیوں نے پورے شہر کو قبرستان میں تبدیل کر دیا ہے۔ مگر کیا سقوط گروزنی کے بعد جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اب روسی بھی نفی میں

دوداییف: ہمارے جذبہ حریت کو ختم نہیں کیا جاسکتا

دینے لگے ہیں۔ سچائی یہ ہے کہ گوریلا جنگ پہلے ہی شروع ہو چکی ہے۔ روسی فوجی کاروانوں پر جو گروزنی شہر کی طرف بڑھ رہے ہیں تاکہ اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکیں، چیچن مجاہدین گھات لگا کر حملے کر رہے ہیں۔ ایسے حملوں میں ابھی تک سینکڑوں روسی فوجی یا تو زخمی ہو گئے یا موت کی ابدی نیند سو گئے۔ علاوہ ازیں روسیوں نے گروزنی کے جنوب والے ہائی وے کے آس پاس آباد گاؤں پر زبردست بمباری کی ہے جس سے ان گنت معصوم لوگ مارے گئے ہیں۔ اس وحشیانہ بمباری کے جواز میں روسی یہ کہتے ہیں کہ ان گاؤں میں چیچن گوریلا چھپے ہوئے ہیں۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ 11 دسمبر کو روس نے چیچنیا پر دھاوا بول دیا تھا جس نے 1991ء میں روس سے اپنی علاحدگی اور آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس وقت سے آج تک مسلسل جنگ جاری ہے۔ روس کا پہلا حملہ ناکام رہا تھا۔ اس حملے کی تفصیلات رو سرے ذرائع سے سامنے آنے لگی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس شکست میں روس کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ان میں سے اکثر چیچن مجاہدوں کی گولیوں سے اور کچھ روسی طیاروں کی اندھا دھند بمباری سے ہلاک ہو گئے۔ ایک روسی پائلٹ کے بقول پاگل روسی جنرلوں نے پہلے تو گروزنی شہر میں انفینٹری کو بھیج دیا اور اسکے بعد فضائیہ کو حکم دیا کہ بلا امتیاز اندھا دھند بمباری کرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتنے ہی روسی فوجی اپنے ہی ساتھیوں کی گولیوں اور بموں کا شکار ہو گئے۔ کچھ ایسے فوجی بھی تھے۔ جو اس جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہتے تھے مگر انہیں تلوار کی نوک پر اس میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا۔ یہ بد دل فوجی ظاہر ہے سر فروشی کی تمنا سے سرشار چیچن مجاہدوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر جب انہوں نے محاذ جنگ سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو پیچھے سے خود ان کے اپنے ساتھیوں نے ان پر فائرنگ کی تاکہ وہ پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھیں۔ ایک دوسری رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گروزنی سے 15 کلو میٹر دور شالی کے مقام پر ایک اسپتال پر بھی روسیوں نے بم برسائے کیوں کہ انہیں اندیشہ تھا کہ وہاں زخمی چیچن مجاہدوں کا علاج ہو رہا ہے۔ در اصل وہاں روسی زخمی فوجی جنگی قیدی کی حیثیت سے زیر علاج تھے۔ زخمیوں پر چاہے اپنے ہوں یا دشمن "بہادرانہ حملہ" کی مثال قائم کرنا روسیوں ہی سے ممکن تھا۔

روسی شہریوں کے لئے یہ پہلی جنگ ہے جو ٹیلی ویژن پر ایک طرح سے نشر کی جا رہی ہے۔ روزانہ جنگ کے خوفناک مناظر دکھائے جا رہے ہیں جس سے روسی عوام میں اپنے حکمرانوں کے خلاف غصہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک سروے کے مطابق 77 فیصد سے زیادہ روسی بورس یلتسن کے خلاف ہو گئے ہیں۔ روسی وزیر دفاع بھی لوگوں کی نظروں سے گر گئے ہیں اس لئے یلتسن نے فوجی کمان ان سے چھین کر اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ در اصل جنگ شروع ہونے کے تیسرے دن روسی وزیر دفاع نے یہ اعلان کیا تھا کہ روسی فوجیں مرکزی گروزنی جہاں صدارتی محل ہے پر پوری طرح قابض ہو گئی ہیں۔ مگر بعد میں روس کے آزاد ٹیلی ویژن سے لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ قبضہ کس نوعیت کا تھا۔ در اصل پورا علاقہ روس کے تباہ شدہ ٹینکوں، فوجیوں کی لاشوں اور زخمیوں سے بھرا پڑا تھا۔ بھاگتے ہوئے روسی فوجیوں نے اپنے زخمیوں کو ساتھ لے جانے کی زحمت نہ کی۔ جس نے نہ جانے کتنے بر وقت علاج نہ ملنے کی وجہ سے زخموں کی تاب نہ لا کر موت کی نیند سو گئے۔ اس وقت بھی بے شمار روسیوں کی لاشیں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ جنہیں اطلاعات کے مطابق کتے نوچ کھسوٹ رہے ہیں۔ ایک فوجی حکم کے ذریعہ روسی فوجیوں سے کہا گیا ہے کہ کتوں کو دیکھتے ہی گولی مار دیں۔ یہ سارے مناظر روسی عوام بچشم خود ٹیلی ویژن پر دیکھ رہے ہیں۔ جس سے اپنے حکمرانوں کے اور اس بے معنی اور بے رحمانہ جنگ کے خلاف ان کا غصہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ گو یوں تو روسی حکومت نے ابھی تک صرف 398 روسی فوجیوں کی ہلاکت کو تسلیم کیا ہے۔ مگر باخبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ یہ تعداد کہیں

> چیچنیا کی سرحد سے قریب ایک روسی ہوائی اڈے (جسے عارضی طور پر ملٹری میڈیکل کیمپ میں تبدیل کر دیا گیا ہے) پر موجود ان ڈاکٹروں کا کہنا ہے جو افغان جنگ میں بھی شریک تھے کہ یہاں جو خوفناک مناظر دیکھنے کو ملے ہیں وہ جنگ افغانستان کے دوران کبھی بھی نگاہوں سے نہ گزرے تھے۔ ہر روز یہاں درجنوں اور کسی کسی دن سینکڑوں روسی فوجی زخمی حالت میں علاج کے لئے لائے جاتے ہیں۔ کچھ کے لئے علاج کار آمد ثابت ہوتا ہے اور کچھ زخموں کی تاب نہ لاکر موت سے ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔

گروزنی کی تباہی پر ماتم کناں کچھ چیچن خواتین

باقی صفحہ ۱۱ پر

روسی استعمار کے خلاف چیچن مسلمانوں کا دو سو سالہ جہاد

چیچنیا کے مسلمان اسلامی شناخت کے تحفظ کے لئے برابر جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ گذشتہ دو دہائیوں سے زارسٹ عناصر سے تصادم کی علامت بنے ہوئے ہیں اور روسیوں کے خلاف جہاد ان کی دیرینہ روایت رہی ہے۔ سات دہائیوں سے خارجی دنیا سابق سوویت یونین کے اندر واقع مسلم علاقوں سے ناواقف تھی حالانکہ اٹھارہویں صدی میں روسی زاروں کی کالونی بننے سے قبل وہاں اسلام کا بول بالا تھا۔ چیچنیا کے مسلمان جنہوں نے جنرل ذخار دوداییف قیادت میں اگست میں روسی دفاق سے آزادی کا اعلان کیا اپنی اسلامی شناخت اور قومی خود مختاری کے تحفظ کے لئے جد وجہد میں مصروف ہیں۔ استعماریت نواز روسی سلطنت اور اس کے کمیونسٹ جانشین کے خلاف چیچنیائی مسلمانوں کے جہاد کی تاریخ دو سو سال پرانی ہے جس کا سلسلہ 1783 میں امام منصور سے لے کر 43 ۔ 1941 میں سوویت اقتدار کے خلاف بغاوت تک پھیلا ہوا ہے ۔ 1922 سے آج تک کے عرصے میں بھی کئی اکادکا بغاوتیں ہو چکی ہیں۔ چیچنیا کی آزاد اسلامی ریاست میں اسلامی تہذیب وثقافت پھیلتی رہی ہے اور اس عمل میں روسی حملوں کے وجہ سے خلل بھی پڑتا رہا ہے۔ یہاں کے مسلمان ایک مشترک تاریخی وحدت کے حامل ہیں جو مختلف ادوار میں منصور (91 ۔ 1780) شامل (64 ۔ 1834) شمالی کوہ قاف (19 ۔ 8191) شمالی امارت قاف (20 ۔ 1919) اور سوویت کوہستانی جمہوریت (24 ۔ 1920) کے علاقوں میں پروان چڑھی رہی۔

روسی استعمار اور سوویت کمیونسٹوں کے حملوں اور مختلف زبانوں اور بولیوں کے باوجود جنوبی کوہ قاف کے مسلمان بنیادی طور پر ایک قوم ہیں جن میں چیچن انگشن اور داغستانی شامل ہیں اور ان کا تعلق شافعی فقہ سے ہے ۔ باقی تمام علاقوں کے مسلمان حنفی المسلک ہیں۔ انہیں طبقاتی کشمکش اور جابرانہ حکومت کا کبھی تجربہ نہیں تھا زمیندارانہ نظام سے بھی وہ واقف نہ تھے ۔ باہمی مساوات ان کا ایمان تھا۔ عربی رسم الخط ان کی ثقافت کا ایک حصہ تھا اسلامی مکاتب و مدارس میں عربی ذریعہ تعلیم تھا۔ ان کے اتحاد و سالمیت کی بنیاد اسلامی اخوت پر تھی۔ اسلام پر قائم چیچن ۔ انگشتی اتحاد زار پرست روسیوں کی نظر میں کھٹکنے لگا۔ یہاں پہلی اسلام شکن مہم کا آغاز زار فیوڈور کی طرف سے 55 ۔ 1738 میں ہوا اور 1924 میں سوویت دور میں شمالی کوہ قاف میں یہ مہم چلائی گئی ۔ تاہم اسلام پر بڑے بڑے پیمانے پر حملہ 1928 میں ہوا جس کے تحت روسیوں نے مسلم علاقوں میں نسل کشی اور جلاوطنی کے گھناونے حربے اختیار کئے۔

روسی کمیونسٹوں نے بھی ان پر ایسے ہی طریقے آزمائے لیکن اپنے طویل مجاہدانہ تجربے کی بناء پر چیچن مسلمانوں نے ان کی تمام چالوں کو ناکام بنا دیا انہوں نے شیخ منصور اور شیخ شامل کی قیادت میں روسی کمیونسٹوں کے خلاف مریدیت کی تحریک چلائی۔ چیچن اور انگستی مسلمان دوسری جنگ عظیم کے دوران جلا وطنی کی صعوبت بھی جھیلی جس کے دوران ان کے زیادہ تر لوگ جاں بحق ہو گئے اور اسٹالن کی موت کے بعد وہ باضابطہ اجازت کے بغیر اپنے کیمپ چھوڑ کر وطن لوٹ آئے۔

چیچن مجاہدین: ہم نے گوریلا جنگ شروع کر دی ہے۔

چیچنیا کا موجودہ بحران شمال کاکیشیا پر دو صدیوں پر پھیلی ہوئی روسی یلغار کا منطقی نتیجہ ہے اور استعماری روسی قیادت کو اس سے اپنے پیشروؤں کی طرح کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ یہ صورت 20 ۔ 1917 کے حالات کے مماثل ہے جب شمال کاکیشیائی عوام نے ازادی کی بے اختیار کوشش کی تھی۔ موجودہ روسی نظام وسعت پسندانہ موقف کے تحت زار پرست اور سوویت پیشروؤں کے نقش قدم پر پرانی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے چیچنیا کے مسلمانوں میں انتشار پیدا کر کے طبقہ اشراف کو اپنا ہمنوا بنانا چاہتا ہے لیکن اسے یقینا سابقہ حریفوں کی طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

گذشتہ تین سالوں میں ماسکو ان نو آزاد ریاستوں پر اپنا سیاسی اور فوجی تسلط دوبارہ قائم کرنے کی کوشش میں لگا رہا ہے اور اس طرز عمل نے اس کے پڑوسیوں کو چونکا دیا ہے جن کا کہنا یہ ہے کہ ماسکو کی توسیع پسندی کے خلاف امریکی انتظامیہ کو مضبوطی سے جما رہنا چاہئے۔ تاہم ہیتی کے حالیہ واقعہ کے تئیں کلنٹن انتظامیہ کے موقف میں

باقی صفحہ ۵ پر

گجرات میں بھی کامیابی کی نکیل مسلمانوں کے ہاتھ میں

کانگریس مسلمانوں کو رجھانے میں مصروف، کیا ایس۔ پی۔ بی۔ ایس۔ پی۔ متبادل بن سکتی ہیں؟

فروری مارچ 1995 میں ہونے والے پانچ ریاستوں میں اسمبلی انتخابات میں ریاست گجرات کے انتخابات کی نوعیت دیگر ریاستوں کے مقابلے میں یوں مختلف ہے کہ باقی ریاستوں کے برخلاف اس ریاست میں فی الوقت برسر اقتدار سیاسی جماعت کی واحد اور راست حریف بھارتیہ جنتا پارٹی

ملائم سنگھ اور کانشی رام: کیا گجرات میں بھی یوپی کی تاریخ دہرائیں گے۔

ہے۔ جو گجرات میں کانگریس کا تختہ پلٹنے اور اپنی حکومت کی تشکیل کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کی ہی کوششوں میں مصروف ہے۔ گجرات میں اب تک ایسی کسی تیسری مضبوط سیاسی قوت کے ورود کے امکانات بہت روشن نہیں ہو پائے ہیں جسے عوام میں کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے مقابل ایک مضبوط متبادل کے طور پر مقبولیت حاصل ہو۔ گرچہ گزشتہ نومبر میں چار ریاستوں کے انتخابات کے نتائج نے پورے ملک پر یہ تو صاف ظاہر کردیا کہ کانگریس کی تباہ کن سیاسی معاشی پالیسیاں اور بھارتیہ جنتا پارٹی کی تخریبی اور فسطائی پالیسیاں عوام کے لئے کشش نہیں رکھتیں۔ اور قومی سطح پر عوام ان دونوں پارٹیوں کی سیاست سے بیزار نئے متبادل کو ترجیح دینے کے لئے اپنا ذہن بنا چکی ہے۔ لیکن گجرات میں فی الوقت اس نئے متبادل کا فقدان ہے، جس کے سبب عوامی سطح پر انتخابات کی جانب سے ایک خاص قسم کی سرد مہری طاری ہے۔

اگر 1990 کے ریاستی انتخابات کو پیش نظر رکھا جائے تو گجرات کی موجودہ صورت حال خاصی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے کیونکہ 1990 کے انتخابات میں بد ترین شکست سے دوچار ہونے کے بعد بھی غیر کانگریسی حکومت اپنے اندرونی بحران کے سبب بالآخر کانگریس کی جھولی میں ہی جاکر پناہ گزیں ہوئی، جس کا سہرا مکمل طور پر بھارتیہ جنتا پارٹی کے سر جاتا ہے کیونکہ 1990 کے اسمبلی انتخابات میں ریاست کی کل 182 اسمبلی نشستوں میں سے کانگریس کو صرف 33 نشستیں ہی حاصل ہو سکی تھیں۔ جب کہ جنتا دل اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے درمیان انتخابی اتحاد کے سبب دونوں پارٹیوں کو متحدہ طور پر 137 نشستیں ملی تھیں، جس کے نتیجے میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حمایت سے جنتا دل کی حکومت کی تشکیل عمل میں آئی تھی، لیکن جلد ہی مرکز میں وی۔ پی سنگھ کی اقلیتی حکومت بھارتیہ جنتا پارٹی کی جانب سے دی گئی حمایت کی واپسی کے ساتھ ہی گجرات کی ریاستی حکومت کو بھی بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنی حمایت سے محروم کردیا، جس کے سبب ریاست کی جنتادل سرکار بھی بحران کا شکار ہوگئی اور اس وقت کے وزیر اعلیٰ چمن بھائی پٹیل کی قیادت میں جنتا دل کی گجرات شاخ نے جنتادل کے نام سے اپنی الگ شناخت قائم کی اور کانگریس کی حمایت سے وقتی طور پر اپنی حکومت کو برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل کرلی، لیکن کانگریس کی حمایت کو اپنی گردن پر لٹکتی تلوار تصور کرتے ہوئے چمن بھائی پٹیل نے بالآخر جنتادل (جی) کو کانگریس کے ساتھ ضم کردینے میں ہی اپنی سیاسی بقا اور عافیت سمجھی۔ اور اس طرح بھارتیہ جنتا پارٹی اور کانگریس کی سازشوں کے نتیجے میں ایک غیر کانگریسی حکومت کا خاتمہ عمل میں آیا اور ریاست میں جنتادل ختم ہوگئی۔

ریاست گجرات میں جنتادل کے کمزور وجود اور کسی دوسرے متبادل کے فقدان کے سبب آج پھر بھارتیہ جنتا پارٹی کانگریس کی واحد حریف کے طور پر موجود ہے۔ اور کانگریس حکومت کی غلط پالیسیوں اور ناکامیوں کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن بھاجپا کو بھی اس بات کا اندیشہ ہے کہ

ریاست گجرات میں جنتا دل کے کمزور وجود اور کسی دوسرے متبادل کے فقدان کے سبب آج پھر بھارتیہ جنتا پارٹی کانگریس کی واحد حریف کے طور پر موجود ہے۔ اور کانگریس حکومت کی غلط پالیسیوں اور ناکامیوں کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

اس کے منووادی برہمن وادی کردار اور فرقہ پرستانہ وفسطائی پالیسیوں کے سبب ریاست گجرات میں خاصی تعداد میں ایسے انتخابی حلقے ہیں جہاں مسلمانوں اور دلتوں کی آبادی قابل لحاظ ہے اور اگر دونوں نے متحدہ طور پر کسی خاص سیاسی جماعت کی حمایت کا فیصلہ کرلیا تو یقینی طور پر ریاست کے انتخابی نتائج ایسے نہیں ہوں گے جس کی امید لئے بھاجپا ریاست میں اقتدار پر قابض ہونے کا خواب دیکھ رہی ہے۔

لیکن اگر ریاست گجرات کے مسلمانوں اور دلتوں نے اتر پردیش کرناٹک اور آندھرا پردیش کی طرح غیر کانگریسی وغیر بھاجپائی متبادل وضع کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تو بھارتیہ جنتا پارٹی سے قطع نظر اگر کسی جماعت کو سب سے زیادہ خسارہ اٹھانا پڑے گا تو وہ ہوگی کانگریس، کیونکہ مسلمانوں اور دلتوں کو اب تک کانگریس اپنا غیر مشروط ووٹ بینک کے طور پر سمجھتی اور استعمال کرتی آئی ہے۔ لیکن منڈل کمیشن اور (شہید) بابری مسجد کے سلسلے میں کانگریس کے ذریعہ اختیار کردہ موقف نے مسلمانوں اور دلتوں کو یکساں طور پر کانگریس سے متنفر کردیا ہے اور یہی سبب ہے کہ اب کانگریس کو ان دونوں حلقوں کے ووٹ کے لالے پڑ گئے ہیں۔

گجرات میں کانگریس کے خلاف مسلمانوں کے غم وغصے کا اصل سبب بابری مسجد کی شہادت، مسلم کش سازشیں اور مسلمانوں کے خلاف حکومت اور انتظامیہ کا اختیار کردہ موقف ہے کیونکہ سورت، احمد آباد، بھروچ، اور دوسرے متعدد شہری علاقوں میں فسادات کے دوران پولیس کی ملی بھگت سے فسطائی قوتوں نے مسلمانوں کی جان ومال کے ساتھ ساتھ جس طرح ان کی عزت وآبرو کو خاص نشانہ بنایا اور اپنے وحشیانہ جذبے کی ٹاڈا اور پاسا (Tada۔ Pasa) جیسے کالے قوانین کا سہارا لے کر کثیر تعداد میں چن چن کر مسلم نوجوانوں کو نہ صرف زدو کوب کیا گیا اور انہیں جسمانی وذہنی اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا بلکہ انہیں انصاف کے حصول کے تمام جمہوری اور انسانی حقوق سے محروم کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ آج بھی ہزاروں کی تعداد میں مسلم مظلومین جیل کی اندھیری کوٹھریوں میں بند اپنے انسانی حقوق کی پامالی کی فریاد کر رہے ہیں، لیکن مرکزی اور ریاستی حکومت کے کانوں پر اب بھی جوں تک نہیں رینگتی اور یہ حقیقت ریاستی حکومت کی مسلم کش پالیسیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے کافی ہے کہ آج بھی ٹاڈا اور پاسا کے تحت گرفتار کئے گئے افراد کی سب سے کثیر تعداد ریاست گجرات میں ہی ہے۔

ایسا بھی نہیں کہ کانگریس کی مرکزی قیادت اور ریاستی حکومت مسلمانوں کے غم وغصے سے بے خبر ہے، بلکہ انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی

نرسمہا راؤ: مسلمانوں کو دام فریب میں پھانسنے کے لئے بیچین

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

حکومت کی اصلاحات نے افراط زر میں بے پناہ اضافہ کردیا

روٹی کپڑا اور مکان کی قیمت کے اعتبار سے ایک عام آدمی کے لئے اصلاحات کا ساڑھے تین سال کا عرصہ سخت ترین ثابت ہوا ہے۔ ملک پہلے ہی دوعددی افراط زر سے گزر رہا ہے لیکن ادھر جب سے تھوک قیمتوں نے اکائی کی حد کو عبور کیا ہے تمام اشیاء کی قیمتوں پر اس کا اثر پڑا ہے۔ حالیہ مالی سال کے اختتام سے قبل قیمتوں میں کمی واقع ہونی چاہئے تھی لیکن 95۔1994 کے سالانہ اوسط سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوعددی افراط زر اسی طرح قائم رہے گا جس سے نہ صرف عام آدمی کے لئے بلکہ اقتصادی اصطلاحات کے مولفین وشارحین کو بھی اپنی زد میں لے لے گا۔

آزادی کے بعد سے آج تک ایسی تشویشناک اور سنگین صورت حال کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی جس نے عوام کو اس قدر بد حال کردیا ہو۔ جون 1991 سے قیمتوں میں جو اضافہ ہوا ہے ان میں غذائی اجناس میں 58.2 فیصد اناج میں 57.8 فیصد دالوں میں 59.5 فیصد چینی میں 56.6 فیصد ٹکسٹائل میں 5.62 فیصد کھاد میں 165.4 فیصد اضافے کی شرح 6.11 فیصد تھی۔

حالیہ مالی سال کے اختتام سے قبل قیمتوں میں کمی واقع ہونی چاہئے تھی لیکن 95۔1994 کے سالانہ اوسط سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوعددی افراط زر اسی طرح قائم رہے گا جس سے نہ صرف عام آدمی کے لئے بلکہ اقتصادی اصطلاحات کے مولفین وشارحین کو بھی اپنی زد میں لے لے گا۔

ہول سیل پرائس انڈکس میں بھی جولائی 94 تک دوعددی افراط زر ہی قائم رہی اور بعد میں وہ گھٹ کر یک عددی ہوگئی۔ اس بارے میں خاصا اختلاف رائے ہے کہ افراط زر کی نوعیت میں یہ تبدیلی کب واقع ہوئی۔ اگر سرکاری اعداد وشمار پر اعتماد کیا جائے تو افراط زر کی شرح نے ہول سیل پرائس انڈکس کے اعتبار سے یک عددی عدود کو دس دسمبر کو عبور کیا تاہم بات اس سے بھی ہفتہ بھر پہلے یعنی 3 دسمبر کو ہو چکی تھی۔ امسال کے 3 دسمبر کے موقت اعداد وشمار اور گذشتہ سال کے اسی دن کے موقت اعداد وشمار کے موازنے کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ حکومت کے طریقہ کار کے مطابق اس طرح کے نتائج عموماً اسی فارمولے کے تحت نکالے جاتے ہیں۔ لیکن تقابل وموازنہ کا یہ طریقہ درست نتائج تک رہنمائی نہیں کرتا۔ اگر 1994 کے دسمبر کے موقت اعداد وشمار کا موازنہ سال گذشتہ کے اسی ہفتے کے موقت اعداد وشمار سے کیا جائے تو افراط زر کی شرح 10.2 جو کہ 10 دسمبر 94 کی 10.02 سرکاری طور پر تسلیم شدہ شرح افراط زر کی شرح سے کہیں زیادہ ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اگر 10 دسمبر 94 کے موقت اعداد وشمار کا سال گذشتہ کے اسی ہفتے کے اعداد وشمار سے موازنہ کریں تو افراط زر کی شرح 10.5 آئے گی۔ 1994 کے پہلے پچاس ہفتوں کے دوران ضروری اشیاء خوردنی کی قیمتوں میں اوسط اضافہ 9.8 فیصد تھا جب کہ 1993 کے پچاس ہفتوں میں یہ اضافہ 8.3 فیصد تھا۔ اسی طرح ضروری غیر خوردنی اشیاء کی قیمتوں میں 1994 کے پچاس ہفتوں میں 13.9 فیصد اور 1993 کے پچاس ہفتوں میں 8.7 فیصد غیر خوردنی مصنوعات میں اضافہ 1994 میں 10 فیصد اور 1993 میں 9.8 فیصد تھا۔

سیشن کی شکست سے لالو کی انتخابی جنگ آسان

چیف الیکشن کمشنر ٹی این سیشن کی دھماکہ خیز شخصیت کا یہ کمال ہے کہ وہ ہمیشہ اخبارات کی زینت بنے رہتے ہیں۔ مرکزی سطح پر سیاسی دھما چوکڑی کے عالم میں بھی ان کے بیانات قومی اخبارات کے صفحہ اول پر شائع ہوتے ہیں۔ انتخابی اصلاحات کے نام پر انہوں نے بہت سے اقدامات بھی کئے ہیں۔ سیاست میں کورپشن اور بدعنوانی کے خاتمے کی بھی انہوں نے کافی آواز اٹھائی ہے۔ جس کی بنا پر سیاستدانوں میں زبردست ہلچل مچی ہوئی ہے اور ہر لیڈر اس خوف میں بمتلا ہے کہ کہیں سیشن کے غصے کی تلوار اس کے سر پر نہ گر جائے۔ انہوں نے صاف ستھرے الیکشن کے لئے فوٹو شناختی کارڈ کی جو شرط لگائی ہے اس پر کافی ہنگامہ برپا ہوچکا ہے۔ تقریباً ہر اس ریاستی حکومت نے شناختی کارڈ کی ان کی شرط کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے جہاں انتخابات ہو رہے ہیں۔

لیکن پہلی بار ان کو شناختی کارڈ کے محاذ پر زبردست پسپائی اختیار کرنی پڑی ہے۔ دراصل انہوں نے خود سے زیادہ اکھڑ اور عوامی مقبولیت کے حامل لیڈر سے مقابلہ ٹھان لیا تھا۔ نتیجے کے طور پر انہیں شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ مقابلہ سیشن اور بہار کے وزیر اعلیٰ لالو یادو کے درمیان تھا۔ صورتحال تو یہ تھی کہ سیشن لالو کو چت کردیتے لیکن لالو بھی اپنے میدان کے ماہر کھلاڑی ہیں انہوں نے سپریم کورٹ کو ریفری بنالیا اور فیصلہ عدالت عظمیٰ کے ہاتھ میں سونپ دیا۔ عدالت نے لالو کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے سیشن کو حکم صادر کیا کہ وہ اس کی آڑ میں بہار اور اڑیسہ میں الیکشن کو ملتوی نہیں کرسکتے کہ وہاں تمام رائے دہندگان کو شناختی کارڈ نہیں دیئے گئے ہیں۔ چیف جسٹس احمدی کی قیادت میں ایک تین رکنی بنچ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ الیکشن کمیشن صاف ستھرے الیکشن کے لئے دوسرے ضروری اقدامات کرے۔ عدالت نے بہار حکومت کے وکیل کو بھی ہدایت دی کہ وہ چار ہفتے کے اندر عدالت کو یہ بتلائیں کہ کیا ریاستی حکومت کمیشن کے ذریعہ نافذ کردہ آخری تاریخ یعنی 30 ستمبر تک شناختی کارڈ بنانے کا وعدہ کرے گی؟

> دراصل عدالتی فیصلہ آنے سے ایک دن قبل ہی سیشن نے حالات کو بھانپ کر اپنے وکیل کے ذریعے عدالت میں یہ بات کہی تھی کہ وہ شناختی کارڈ کے مسئلے پر بہار میں الیکشن رکوا کر آئینی بحران پیدا کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں، یہ تو اچھا ہوا کہ انہوں نے اپنی عزت بچالی ورنہ انہیں کافی ہزیمت اٹھانی پڑتی۔

دراصل عدالتی فیصلہ آنے سے ایک دن قبل ہی سیشن نے حالات کو بھانپ کر اپنے وکیل کے ذریعے عدالت میں یہ بات کہی تھی کہ وہ شناختی کارڈ کے مسئلے پر بہار میں الیکشن رکوا کر آئینی بحران پیدا کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں، یہ تو اچھا ہوا کہ انہوں نے اپنی عزت بچالی ورنہ انہیں کافی ہزیمت اٹھانی پڑتی۔ ویسے اس سے قبل کئی بار وہ عدالت کے لعن وطعن کا نشانہ بن چکے ہیں۔ واضح رہے کہ سیشن کے حکم کو اڑیسہ حکومت اور بہار کے تین ممبران پارلیمنٹ نے چیلنج کیا تھا۔

بلا شبہ یہ لالو یادو کی زبردست جیت ہے۔ پانچ سات اور نو مارچ کو بہار میں الیکشن ہونے والے ہیں یہ تو پہلے ہی اندازہ تھا کہ لالو کو شکست دے پانا آسان نہیں ہوگا۔ آثار بتاتے ہیں کہ حکومت لالو کی ہی بنے گی۔ اب سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد لالو کو زبردست اخلاقی قوت حاصل ہوگئی ہے اور اب انہیں شکست دینا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہوگیا ہے۔ گویا لالو نے جنگ کا پہلا مرحلہ فتح کرلیا ہے۔ قوی امکان ہے کہ دوسرا اور آخری مرحلہ بھی وہ آسانی سے فتح کرلیں گے۔

سیشن: شناختی کارڈ کے بغیر الکشن نہیں ہونے دیتا، مگر.......

"ستیہ گرہ کا مقصد نرسمہا راؤ کو کانگریس صدارت سے ہٹانا ہے"

اتر پردیش کے باغی کانگریسیوں کا اعلان ——— بقیہ : کانگریس منجدھار میں

تب بھی ان میں کوئی جنبش نہیں ہوتی۔

سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ سونیا گاندھی کی طرف سے محمد یونس کے بیان کی تردید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سیاست میں کبھی آئیں گی ہی نہیں یا پھر ارجن سنگھ کی پشت پر اب ان کا ہاتھ نہیں رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دس جن پتھ ارجن سنگھ کے لئے سیاسی آکسیجن کا کام کر رہا ہے اور انہیں سونیا کی خاموش حمایت حاصل ہے۔ سونیا نے ارجن کو جواہر بھون کا ٹرسٹی نامزد کرکے اشارہ دے دیا تھا کہ ان کے خلاف کسی کارروائی کا مطلب سونیا سے مقابلہ آرائی سے تصور کیا جائے گا۔

دریں اثنا راؤ حکومت کی جانب سے دھمکی آمیز بیان دینے کے باوجود ناراض گروپ سے مفاہمت کی کوششیں جاری ہیں، ان کا خاص نشانہ این ڈی۔ تیواری ہیں، وہ تیواری کو ارجن سے الگ کرنا چاہتے ہیں لیکن تیواری نے راؤ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے۔ راؤ نے تیواری سے کہا کہ اگر وہ ارجن گروپ سے الگ ہوجائیں تو انہیں مرکزی وزیر خارجہ بنا دیا جائے گا اور ملائم حکومت سے حمایت واپس لینے کا بھی فیصلہ لیا جاسکتا ہے۔ لیکن تیواری نے اس پیشکش کو ٹھکرا کر یہ بتا اور جتا دیا کہ وہ اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ ان کی واپسی اب ناممکن ہے دراصل اس پیشکش کے پیچھے راؤ دوہرا کھیل کھیلنا چاہتے تھے۔ ایک تو یہ کہ تیواری کو ارجن سے الگ کرکے اور دہلی میں بٹھا کر یوپی میں ان کی عوامی بنیاد کو کمزور کرنا اور دوسرے ملائم حکومت سے حمایت واپس لے کر اس کا سہرا جتیندر پرساد کے سر باندھنا، لیکن تیواری بھی سیاست کے ماہر کھلاڑی ہیں انہوں نے راؤ کی یہ چال بھانپ لی اور ان کے جال میں پھنسنے سے انکار کردیا۔

ارجن سنگھ کے معاملے کے جوں کا توں بنے رہنے سے وزیر اعظم مرکزی وزارت میں توسیع بھی نہیں کر پا رہے ہیں، دوسری وجہ اے۔ کے اینٹونی کا معاملہ بھی ہے۔ اینٹونی کو استعفیٰ دیئے ایک مہینے سے زائد ہوگیا اور راؤ نے ابھی تک اسے منظور نہیں کیا ہے ان کی کوشش انہیں دوبارہ مرکزی وزارت میں شامل کرنا ہے اور اسی لئے راؤ نے انہیں اپنے دفتر بلا کر ان کی خوشامد کی لیکن اینٹونی نے نہ ہی حکومت میں اور نہ ہی پارٹی میں کوئی عہدہ لینے سے انکار کردیا۔

ادھر کانگریس ورکنگ کمیٹی ارجن سنگھ کے خلاف کارروائی کرنے کے معاملے پر گوسگو کی کیفیت میں پھنسی ہوئی ہے۔ کیونکہ 9 رکنی ورکنگ کمیٹی میں سے تین ارکان ارجن سنگھ کے خلاف کوئی بھی ایکشن لینے کے مخالف ہیں، ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ کے موخر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ارجن سنگھ کے ذریعے اٹھائے گئے معاملات پر بحث کرانے پر زور بھی ڈالا جاسکتا ہے ادھر گذشتہ میٹنگ کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کانگریس کے ترجمان نے کہا تھا کہ ورکنگ کمیٹی میں اتفاق رائے سے ارجن سنگھ کے خلاف ایکشن لینے کا فیصلہ ہوا ہے جب کہ بعد میں تیواری نے بیان دیا کہ یہ دروغ گوئی ہے اور اتفاق رائے سے ایسا کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ توقع ہے کہ اس مہینے کے آخر میں ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوگی، یہ میٹنگ انتہائی دھماکہ خیز ہوگی کیوں کہ اس میں ارجن سنگھ نے بھی شرکت کا اعلان کیا ہے۔

مجموعی طور پر حالات دھماکہ خیز ہیں اور راؤ کی جانب سے مفاہمت کی تمام تر کوششیں ناکام ہوچکی ہیں، مجبور ہوکر انہوں نے ارجن سنگھ کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا بظاہر یہ ارجن مخالف کارروائی ہے لیکن درحقیقت یہ سونیا سے سیدھی ٹکر ہے اور اس سیدھی ٹکر کے نتیجے میں کانگریس منجدھار میں پھنس گئی ہے اور کانگریس سے زیادہ راؤ منجدھار میں پھنسے ہوئے ہیں حالانکہ راؤ یہ سمجھتے ہیں کہ سونیا سے ٹکر لینا ان کے لئے خود کشی کے مترادف ہے لیکن انہیں اس اقدام کے لئے ارجن سنگھ نے مجبور کیا ہے اور اس اقدام کے علاوہ راؤ کے سامنے کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

"نرسمہا راؤ کو مسلمانوں کا ووٹ چاہئے تو ٹاڈا کو ختم کرنا ہوگا"

کانگریسی لیڈروں کی دہائی ——— بقیہ : نمک پاشی کے مترادف

پر بھی اسے ختم کرنے کا خیال حکومت کو نہیں آیا تھا۔ البتہ شکست کے بعد کانگریس کو ٹاڈا کا خیال آگیا ہے اور مسلمانوں کے زخم یاد آگئے ہیں وزیر اعظم نے ٹاڈا کا ختم کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کی بات کرکے اس بحث کو ایک بار پھر شروع کردیا ہے کہ اس کا خاتمہ ضروری ہے مہاراشٹر کانگریس کمیٹی کے صدر مرلی دیورا کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کا ووٹ لینا ہے تو اسے ختم کرنا ہوگا۔ نیز اگر وزیر اعظم ایسا نہیں کرسکتے تو ہم مہاراشٹر میں ان کا استقبال نہیں کرپائیں گے۔ گویا مسلمانوں کا ووٹ ضروری نہ ہوتا تو ٹاڈا ختم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مرلی دیوار کا یہ کہنا ہے کہ مرکز ریاستی حکومتوں پر ٹاڈا کے غلط استعمال کا الزام لگاتا ہے اور ریاستی حکومتوں کا کہنا ہے کہ اسے مرکز ہی نے پاس کیا ہے۔

انہوں نے سنجے دت کی بھی بات اٹھائی ہے۔ دیورا کہتے ہیں کہ اگر سنجے دت قصوروار ہے تو اسے ضرور سزا ملنی چاہیے لیکن ابھی تک اس کے خلاف کوئی بھی ثبوت سامنے نہیں آیا ہے۔ انہوں نے اشارہ دیا ہے کہ کانگریس کے ایک "وفادار" اور ایک "محب وطن" کے بیٹے کو جلد ہی رہا کردیا جائے گا۔ سیاسی حالات پر نظر رکھنے والوں کے لئے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسا اشارہ کیوں دیا جارہا ہے۔ سنجے دت پر بھی ٹاڈا لگایا گیا ہے اور اب ٹاڈا کو ختم کرنے یا اس میں مناسب ترمیم کرنے کے لئے قانونی ماہرین سے مشورہ مانگا گیا ہے۔

وشو ہندو پریشد پر پابندی عائد کرنے کا مقصد بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کیا جائے۔ پریشد پر پابندی لگانے کے لئے جن وجوہات کو جواز بنایا گیا ہے وہ انتہائی بودی اور الجر ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان پر پہلے ہی عمل کیوں نہیں کیا گیا۔ نوٹیفکیشن میں کہا گیا ہے کہ دو برس کی پابندی کا عرصہ ختم ہونے کے بعد پریشد کے لیڈروں اور ورکروں نے جو سرگرمیاں شروع کیں وہ انتہائی خطرناک تھیں انہوں نے گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ کے تعلق سے بیانات دینے شروع کردیے تھے۔ جس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔

کانگریس حکومت اور کانگریسی رہنماؤں سے سوال کرنا چاہیئے کہ اگر محض بیانات سے امن وامان کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا تو اس سے قبل پریشد اور سنگھ پریوار کی دوسری تنظیموں نے جو ملک گیر پیمانے پر خطرناک مہمات چلائی ہیں اور اجودھیا میں بابری مسجد کے پاس اکٹھا ہوکر جس طرح اس کو شہید کردیا تو کیا وہ سرگرمیاں ایسی نہیں تھیں کہ ان پر پابندی نافذ کی جاتی۔ بابری مسجد کا تالا کھلنے کے بعد سے لے کر اس کی شہادت تک کی ان کی سرگرمیوں کو کس خانے میں رکھا جاسکتا ہے کیا وہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دے رہی تھیں جس کی بنا پر ان کو کھلی آزادی حاصل تھی؟ کیا ایسا نہی ہے کہ پریشد پر پابندی لگا کر بی جے پی کے ہاتھ میں ایک ایشو تھما دیا گیا ہے اور وہ ریاستی انتخابات میں اس ایشو کو اچھال کر نہ صرف ہندو ووٹ کیش کرائے گی بلکہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو بھی فروغ دے گی؟

دراصل اس وقت کانگریسی رہنماؤں میں گھبراہٹ طاری ہے اور اسی گھبراہٹ و جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرکز سیاسی مقاصد کے پیش نظر ایسے فیصلے لے رہا ہے جس سے فائدہ کے بجائے نقصان اٹھانا پڑسکتا ہے۔ شاید کانگریس حکومت اس غلط فہمی میں بمتلا ہے کہ وہ مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر ایک بار پھر ان کا ووٹ حاصل کرلے گی۔ کانگریس رہنماؤں کو ہوش کے ناخن لینے چاہیئے اور سخت گیر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

امریکی وزیر دفاع کے دورۂ برصغیر کا مقصد کیا تھا؟

کیا ولیم پیری مسئلہ کشمیر پر ہند و پاک کی متوقع جنگ کو ٹالنے آئے تھے

بے نظیر اور پیری: اس دورے سے پاکستان کو کیا ملا

امریکی وزیر دفاع جیمز پیری کے دورہ پاکستان کے بعض پہلوؤں پر سیاسی اور سفارتی تجزیہ کاروں میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے لیکن اس کے متوقع نتائج کے بارے میں ان کے درمیان خاصا اختلاف ہے۔ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے صدر سردار شیر باز مزاری جو بے داغ شہرت کے مالک ہیں ان کا کہنا ہے کہ امریکی نقطہ نظر سے مسٹر پیری کا دورہ بہت

> مضبوط حامیوں کی سرپرستی کے باوجود پاکستان کا نیوکلیائی پروگرام کئی وجوہ سے زوال آمادہ ہوا ہے۔ اور یہی بات میزائیل ٹکنولوجی کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ سرحد پر ہندوستانی پرتھوی میزائیل کی تنصیب ہی پاکستان کو اس سمت میں اپنی کوششیں تیز کرنے پر مجبور کرسکتی ہے اور پاکستان کو میزائیلی مسابقت سے دور رکھنے کا کام امریکہ کے ہی بس کا ہے۔

کامیاب تھا۔

جناب مزاری نے کہا کہ وہ آزاد خارجہ پالیسی کی عظیم قدر وقیمت سے متعلق حد درجہ فکر مند ہو کر قدامت پرستی کا ثبوت دیتے رہے ہے حالانکہ جہاں تک پیری کے پہلے پاکستان آنے کا تعلق ہے اس کا مقصد بعض چھوٹی موٹی تفصیلات طے کرنا تھا دراصل ان کے دورہ کا مرکز تو ہندوستان ہے اور یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ مابعد سرد جنگ کے امریکہ کا جغرافیائی وسیاسی ہدف جنوبی ایشیا اور بحر ہند کے پیش نظر ہندوستان سے تعاون قائم کرنا ہوگا۔ پاکستان کے احساسات کا لحاظ تو حفاظتی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے۔

امریکہ پاکستان فوجی تعلقات کے حوالے سے مزاری صاحب نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اگرچہ انہیں اس طرح کے معاملات سے کوئی زیادہ سروکار نہ تھا لیکن دونوں ممالک کے درمیان فوجی روابط کی تاریخ کچھ خوش کن نہیں رہی ہے۔

ڈیفنس جرنل کے ایڈیٹر اور عمیق نظر رکھنے والے جغرافیائی سیاسی مبصر اے آر صدیقی امریکی وزیر دفاع کے دورے سے خاصے پر امید ہیں ان کا بیان ہے کہ اس دورے کا اہم مقصد ہند اور پاکستان کے درمیان متوقع جنگ کو ٹالنا ہے۔ موجودہ حالات کو نوعیت کے پیش نظر کوئی حتمی طور پر یہ تو نہیں کہہ سکتا تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے برصغیر کے دونوں پڑوسی ممالک کو مابعد سرد جنگ امریکی اہداف میں الجھانے پر کافی غور وخوض کیا ہے۔ صدیقی صاحب اس خیال سے اتفاق نہیں رکھتے کہ امریکی مہمان کی اصل منزل ہندوستان تھا اور پاکستان کو تو یونہی بس چھو لیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کو اتنی آسانی سے نظر انداز کردینا مشکل ہے کیونکہ ایک موضوع جس پر امریکیوں کو کامیابی ملی ہے وہ ہے نیوکلیائی عدم انتشار۔

تمام مبصرین اس خیال پر متفق ہیں کہ پاکستان میں اہم امریکی مقاصد کو مختصراً تین زمروں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ جو اہم تر امریکی مقاصد سے

تصادم کے بغیر اس آباد خطے میں امن واستقرار قائم کرسکتا ہے یہ مسئلہ کسی طور پر مسئلہ کشمیر کے کسی قابل قبول حل کا متقاضی ہے۔ دوسری بات کا تعلق نیوکلیائی اسلحے کے عدم انتشار اور میزائیل ٹیکنولوجی سے ہے جو اس کے بعد کی نقاط سے بھی

> حالات کا پورا انحصار مسئلہ کشمیر پر ہند اور پاکستان کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی امریکی کوششوں کی کامیابی وناکامی پر ہے۔ یہ محدود تفاہم برصغیر کے امن اور ایشیا کے لئے عظیم امریکی منصوبے کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب یہ امریکہ کو سوچنا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہوا ہے۔

مربوط ہے۔ تیسرے یہ کہ امریکہ کی پاکسان میں دلچسپی کا واحد سبب یہ یقین کرنا ہے کہ وہاں وہ اپنی حالیہ اقتصادی پالیسیوں کو بروئے کار لاتا رہے گا۔ اپنے بازاروں کے طول وعرض کے اعتبار سے امریکی ملٹی نیشنلز کے لئے پاکستان ایک مختصر سا بازار فراہم کرتا ہے۔ تاہم اگر بعض لوگوں کی دسترس میں یہ ہے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے

لہذا یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ یہ کوئی دعوی نہیں کرسکتا کہ پاکستان میں جناب پیری نے اپنا وقت ضائع کیا ہے، جہاں تک نیوکلیائی مسئلہ کا سوال ہے توحد درجہ نیوکلیائی ترقی تک شاید پاکستان کی رسائی ہوگئی ہے کی وجہ سے نہیں۔ مضبوط حامیوں کی سرپرستی کے باوجود پاکستان کا نیوکلیائی پروگرام کئی وجود سے زوال آمادہ ہوا ہے۔ اور یہی بات میزائیل ٹکنولوجی کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ سرحد پر ہندوستانی پرتھوی میزائیل کی تنصیب ہی پاکستان کو اس سمت میں اپنی کوششیں تیز کرنے پر مجبور کرسکتی ہے اور پاکستان کو میزائیلی مسابقت سے دور رکھنے کا کام امریکہ کے ہی بس کا ہے۔

حالات کا پورا انحصار مسئلہ کشمیر پر ہند اور پاکستان کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی امریکی کوششوں کی کامیابی وناکامی پر ہے۔ یہ محدود تفاہم برصغیر کے امن اور ایشیا کے لئے عظیم امریکی منصوبے کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب یہ امریکہ کو سوچنا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہوا ہے۔

علاقائی نظام امن کی کامیابی کے امکانات کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ ہاں یہ سوال ضرور کسی حد تک بامعنی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مقصد سے کس حد تک قریب ہوئے ہیں۔ اس کے لئے کوئی متعین لفظ شاید ہے نہیں۔ امریکی وزیر دفاع نے کہا ہے کہ ان کی دلچسپی خصوصاً تین مسلح افواج کے فرقوں کے درمیان ذاتی تعلقات کو خود اپنی سطح پر اور سینئر سطحوں پر بہتر بنانا تھا۔ تاہم یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ وزیر موصوف پاکستان میں اپنے قیام کے دوران کشمیر اور ہندوپاک تعلقات کو کسی نہ کسی طور پر زیر بحث نہ لائے ہوں۔ اور پھر بھی ان باتوں کا کہیں کوئی حوالہ نہیں ہے۔

اگرچہ زیادہ تر زبانی ہی سہی سی بی ایم ایس کے فوراً بعد امریکی حکام کا "یکساں ملکیت" پر اصرار اور انسانی حقوق کی پامالی کے ذکر کی تکرار اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ ڈگلس ہرڈ کی طرح وہ بھی کم از کم مسئلہ کشمیر میں کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ بعض پاکستانی مبصرین کے مطابق جس انداز میں امریکی اور پاکستانی مسلح افواج کے درمیان تعاون کی راہ میں باسانی پیش رفت ہوئی ہے اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اسی طرح کی پیش رفت بعض اہم معاملات میں بھی ہوئی ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ ضرور پتہ چل رہا ہے کہ امریکی وزیر دفاع کے حالیہ دورہ پاکستان سے متعلق خود پاکستانی مبصرین کا کیا انداز نظر ہے۔

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
الفا آفسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز، 49، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر،
نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا۔
فون: 6827018

چینی افواج کی جدید کاری سے پڑ

ایک طرف چینی سفارت کار اپنے جنوب مشرقی ایشیائی ہم سایوں کے ساتھ پرامن وجود باہم کی گفتگو کر رہے ہیں تو دوسری جانب چینی فوجی حکام اپنی وسیع لیکن قدیم فوج کے ایک حصے کی جدید کاری میں مصروف ہیں۔ چینی اور مغربی مشاہدین دونوں کا خیال ہے کہ فوجی سطح پر اس اقدام کا مقصد جنوبی دریائے چین پر اپنے دعوے کو مستحکم کرنا ہے۔ اور جن چیزوں کے لئے بازی لگائی جارہی ہے وہ ہیں تیل کے ذخائر، معدنیات ماہی گیری کے آبی علاقے جو دنیا کی مصروف ترین جہاز رانی کے راستوں پر واقع ہیں۔ آبادی کے شانہ بشانہ طاقت کی مانگ میں اضافے کی بناء پر چین میں تیل کی فراہمی خاصی متاثر ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں اسے 1993 میں پہلی بار تیل درآمد کرنا پڑا۔ لہذا اس کا امکان ہے کہ چین جنوبی دریائے چین میں تیل کی دریافت کا بیڑہ بڑے پیمانے پر اٹھائے گا۔

سابق امریکی فوجی حکام کی ایک جماعت جس نے گذشتہ سال چین کا دورہ کیا تھا اس کی رپورٹ کے مطابق چین ایک ایسی محدود سریع الحرکت فوجی کمک کی تشکیل میں مصروف ہے جو قومی اہمیت کے نمایاں ترین مسئلے کے طور پر جنوبی دریائے چین پر دعوے کا تحفظ کر سکتی ہو۔ سابق وزیر دفاع رابرٹ س۔ میک نمارا کی قیادت میں یہ چار نفری جماعت سربرآوردہ فوجی حکام پر مشتمل تھی۔ اس جماعت اور دیگر ماہرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ جامع نوعیت کی فوجی جدید کاری چین کے لئے ابھی بہت دور کی بات ہے تاہم حالیہ چند سالوں میں چین نے بعض مخصوص میدانوں میں اپنی فوج کو بہتر بنایا ہے جس کے لئے اس نے حسب ذیل حکمت عملی اختیار کی ہے۔

زمینی بحری بڑے، امدادی جہازوں اور آبدوزی فوج سے لیس ہو کر اس نے طویل بحری جنگ لڑنے کی صلاحیت کو بہتر بنایا ہے۔

چین نے 72 عدد ترقی یافتہ 27۔ US طرز کے "ایٹک ایر کرافٹ" کی خریداری کے لئے روس سے گفت وشنید کی ہے۔ اس کا مقصد بحری فوجی کارروائیوں کے لئے توسیع شدہ رینج تک بھی فضائی امداد پہنچانا ہے۔

اس نے چوطرفہ حملے کے لئے آبدوزی یونٹوں کی تشکیل کی ہے اور فضائی افواج کو روسی طرز کے مسافر بردار جہازوں پر تعیناتی کے لئے تربیت دی ہے۔ اسی طرح کا ایک فوجی جتھا جزیرہ ہنیان میں مقیم ہے تاکہ وقت ضرورت فوراً انہیں جنوبی دریائے چین کے جڑواں جزیروں اسپراٹلس اور پیراسلس

> چینی فوجی امور کے ایک ماہر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے
> کے پاس بالکل جدید خطوط پر پانچ سے دس لاکھ تک کی فو
> حالیہ تمام کوششوں اور اس کے سارے اقدامات
> ماہرین کی نظر میں وہ اپنے نشانے کو حاصل نہیں کر پا
> میدانوں میں ٹیکنولوجی کے اعتبار سے بہت

میں بھیجا جاسکے۔

1600 کیلو میٹر کی مسافت کے اندر موجود کسی دشمن کو خوف زدہ کرنے کے لئے اس نے متحرک روایتی جنگی میزائل بھی تیار کر لیے ہیں۔

چینی فوجی امور کے ایک ماہر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سن 2005 تک چین کے پاس بالکل

اسلام اور مغرب میں ثقافتی تصادم ناگزیر

امریکہ میں پاکستان کی سفیر ملیحہ لودھی

ماضی میں صحافت کے پیشے سے وابستہ رہنے والی واشنگٹن میں مقیم پاکستانی سفیر ڈاکٹر ملیحہ لودھی حال ہی میں کشمیر میں حقوق انسانی کی پامالی، مسلم دنیا میں بڑھتے ہوئے احساس زخم خوردگی اور پریسلر ترمیم کے اثرات جیسے اہم مسائل پر پچھلے دنوں عرب نیوز کی طرف سے لئے گئے ایک انٹرویو میں اظہار خیال کیا ہے۔ ملیحہ لودھی جو کشمیر میں ہندوستان کی پرجوش ناقد ہیں امریکی حکومت پر مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے برابر زور ڈالتی رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب امریکہ کشمیر کو ایک متنازعہ علاقہ کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے تو یہ بات اس کے اقتصادی مفاد میں جاتی ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کا کوئی حل تلاش کرے کیونکہ اس خطے میں امن کے فوائد کا دائرہ کافی وسیع ہوگا۔

> تاہم ملیحہ لودھی اس کی قائل ہیں کہ چونکہ عالمی برادری جنوبی ایشیا کی اقتصادی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی خواہش مند ہے اس لئے ان پر یہ بھی واجب ہے کہ اس خطے کو مستحکم محفوظ اور پرامن بنائے رکھیں۔ انہیں امید ہے کہ عالمی برادری کے اقتصادی مفادات عالمی برادری کو کشمیری بحران کے خاتمے کی کوشش میں فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب دیں گے۔

پاکستانی سفیر نے حال ہی میں اقوام متحدہ کی جنرل باڈی کے سامنے کشمیر کے سلسلے میں قرار داد پیش کرنے میں پاکستان کی ناکامی کے احساس کی شدت کو یہ کہہ کر کم کرنے کی کوشش کی کہ کوئی قرار داد منظور کر والینا بذات خود کسی مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ پہلے ہی ہم دیکھ چکے ہیں کہ کشمیر پر کئی قرار دادیں پاس ہوئیں لیکن ان میں سے کسی کا نفاذ نہیں ہوا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اقوام عالم کی توجہ اس مسئلہ کی طرف مبذول کرائی اور اس میں ہم ضرور کامیاب ہوئے ہیں۔

بعض ناقدین کا خیال ہے کہ ہندوستان میں موجود دلکش اقتصادی مواقع کی دستیابی کی توقع کی بناء پر کشمیر کی صورت حال کے تئیں امریکہ کی توجہ میں کمی آئی ہے کیونکہ نئی دہلی کی طرف سے برابر واشنگٹن کو اشارے مل رہے ہیں کہ "اگر ہم سے اقتصادی فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو مسئلہ کشمیر پر چپ سادھے رہو" اس ضمن میں ملیحہ لودھی کی دلیل یہ ہے کہ امریکی وزیر طاقت ہیزل اولیری اور پاکستانی حکام کے درمیان چار بلین ڈالر کے ایک اقتصادی معاہدہ پر دستخط سے یہ صاف ظاہر ہے کہ پاکستان کو بھی امریکہ اپنے لئے اقتصادی منفعت کے مواقع سے مالامال ملک تصور کرتا ہے۔ گویا پاکستان بھی اس پوزیشن میں ہے کہ وہ امریکہ کو مسئلہ کشمیر میں دلچسپی لینے پر ابھارتا رہے۔ تاہم ملیحہ لودھی اس کی قائل ہیں کہ چونکہ عالمی برادری جنوبی ایشیا کی اقتصادی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی خواہش مند ہے اس لئے ان پر یہ بھی واجب ہے کہ اس خطے کو مستحکم محفوظ اور پرامن بنائے رکھیں۔ انہیں امید ہے کہ عالمی برادری کے اقتصادی مفادات عالمی برادری کو کشمیری بحران کے خاتمے کی کوشش میں فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر جدید عالمی نظام کو اگر کچھ کرنا ہے تو

ملیحہ لودھی: امریکہ میں سفیر پاکستان

وہ ہے انصاف، آزادی اور مساوات کا قیام، کیونکہ نئے عالمی نظام کی بنیاد کسی انتخابیت پسندانہ اخلاقیات پر نہیں رکھی جاسکتی۔ جب پوری دنیا میں آزادی وانصاف کی ہوا چل رہی ہے تو کشمیر کے عوام کو آزادی اور حق خود اختیاری سے کیسے محروم رکھا جاسکتا ہے۔

اسی موضوع کو مسلمانان عالم کی صورت حال سے جوڑتے ہوئے ملیحہ لودھی نے کہا کہ فلسطین کا ناسور، بوسنیا میں ہزاروں کی تعداد میں ہلاک ہونے والے مسلمان اور کشمیر میں مسلمانوں کی ایذا رسانی

> فلسطین کا ناسور، بوسنیا میں ہزاروں کی تعداد میں ہلاک ہونے والے مسلمان اور کشمیر میں مسلمانوں کی ایذا رسانی ان سب واقعات نے مسلم دنیا کے احساس زخم خوردگی کو تیز تر کیا ہے اور اس سے اسلام اور مغرب کے درمیان کشاکش میں مزید سنگینی آئے گی اور اسلام ومغرب کے درمیان ثقافتی تصادم نہ دیکھنا چاہتے ہوئے بھی دونوں میں مفاہمت کرانا خاصا مشکل ہوگا۔

ان سب واقعات نے مسلم دنیا کے احساس زخم خوردگی کو تیز تر کیا ہے اور اس سے اسلام اور مغرب کے درمیان کشاکش میں مزید سنگینی آئے گی اور اسلام ومغرب کے درمیان ثقافتی تصادم نہ دیکھنا چاہتے ہوئے بھی دونوں میں مفاہمت کرانا خاصا مشکل ہوگا۔ مذکورہ تصادم سے کہیں زیادہ ملیحہ لودھی جنوبی ایشیا کی دو بڑی طاقتیں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان نیوکلیائی اسلحہ بندی کی مقابلہ آرائی کی طرف سے فکر مند ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ہندوستان کی بیلسٹک میزائی سازی کی صلاحیت نے اس خطے کو اسلحے کی نئی دوڑ کے لئے تیار کر دیا ہے۔ انہوں نے پریسلر افنڈ منٹ قطعی طور پر غیر منصفانہ اور جانب دارانہ قرار داد دیا ہے۔ واضح رہے کہ میزائیل کنٹرول ٹیکنولوجی رجیم کے ضابطہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چین سے میزآئیل کی خریداری پر پاکستان کے خلاف تادیبی کارروائی کی غرض سے پریسلر ترمیمی قانون وضع کیا گیا تھا۔

بقیہ: چیچنیا کی آزادی کا جنگ

زیادہ ہے۔ روسی ملٹری ہیڈ کوارٹرس پر موجود ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ صرف مرکزی اسپتال کے سردخانے میں 8 سو فوجیوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔

چیچنیا کی سرحد سے قریب ایک روسی ہوائی اڈے (جسے عارضی طور پر ملٹری میڈیکل کیمپ میں تبدیل کر دیا گیا ہے) پر موجود ان ڈاکٹروں کا کہنا ہے جو افغان جنگ میں بھی شریک تھے کہ یہاں جو خوفناک مناظر دیکھنے کو ملے ہیں وہ جنگ افغانستان کے دوران کبھی بھی نگاہوں سے نہ گزرے تھے۔ ہر روز یہاں درجنوں اور کسی کسی دن سینکڑوں روسی فوجی زخمی حالت میں علاج کے لئے لائے جاتے ہیں۔ کچھ کے لئے علاج کارآمد ثابت ہوتا ہے اور کچھ زخموں کی تاب نہ لاکر موت سے ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔

پہلے حملے کی ناکامی کی بعد روس نے دوسرا حملہ زیادہ منصوبہ بند اور منظم طریقے سے کیا۔ اس بار وہ طریقہ زیادہ شدت سے اختیار کیا گیا جو جنگ خلیج میں امریکہ نے اختیار کیا تھا یعنی زمینی حملے سے قبل دشمن کو فضا سے تہس نہس کر دینے کی پالیسی۔ بورس یلتسن کی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے روسی طیارے پورے ایک ماہ سے مسلسل بمباری کر رہے ہیں۔ گروزنی کی کوئی عمارت صحیح سلامت نہیں بچی ہے اور پورے شہر میں آگ کے شعلے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس زبردست تباہی کے بعد روسی زمینی فوج نے حملہ کیا مگر بچے کھچے چیچن مجاہدوں نے اس بار بھی جم کر مقابلہ کیا۔ آخری اطلاع ملنے تک ایک ایک انچ کے لئے لڑائی جاری تھی۔ مگر اس دوسری جنگ میں روسیوں کا پلڑا بھاری ہے۔ چیچن ذرائع کا بھی کہنا ہے کہ گروزنی میں ان کے قدم اکھڑ گئے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ آخر دم تک لڑنے کا وہ عزم مصمم کئے ہوئے ہیں۔ قربانی اور شہادت ان کا شعار بن گئے ہیں۔ چھوٹا بڑا ہر کوئی جنگ میں حصہ لے رہا ہے۔ خود چیچن صدر دودائیف کے بڑے صاحبزادے جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اب تک دونوں طرف کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا ہے۔ سینکڑوں روسی فوجی قیدی بنالئے گئے ہیں۔ صدارتی محل میں مغربی نامہ نگاروں نے بچشم خود دیکھا کہ کئی روسی زخمی حالت میں وہاں پڑے ہوئے تھے جن کا علاج چیچن ڈاکٹر کر رہے تھے۔ متعدد صحت مند روسی قیدی بھی وہاں موجود تھے جبکہ قیدیوں کی ایک نامعلوم تعداد جنوب کے پہاڑوں میں کسی محفوظ مقام پر رکھی گئی ہے۔

چیچنیا، خصوصاً گروزنی شہر میں اس بڑے پیمانے پر غارت و ہلاکت کے باوجود باہری دنیا کا رد عمل بہت معمولی رہا ہے۔ صرف جرمنی نے ابھی حال ہی میں روسی حملے کی مذمت کی ہے۔ فرانس، امریکہ اور ڈھیٹ برطانیہ کو محض تشویش ہے۔ مسلم ممالک بھی دوسروں کی نقالی میں حسب توفیق بس تشویش و مذمت کے بیانات دے رہے ہیں۔ مگر دنیا کی بے حسی کا رونا رونے کے بجائے چیچن سر فروشان اسلام روسی جارحیت کے خلاف شجاعت و شہادت کی ناقابل فراموش داستان لکھنے میں مصروف ہیں۔ کچھ مائیں اپنے بیٹوں اور کچھ عورتیں اپنے شوہروں کی لاشوں پر ماتم کرتی ہوئی ضرور نظر آرہی ہیں مگر ان ماؤں اور عورتوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے جو اپنے بیٹوں اور شوہروں کو دعاؤں کے سائے میں محاذ جنگ پر بھیج رہی ہیں۔ جذبہ شہادت اور سرفروشی کی اس تمنا کا اظہار اس لئے ہو رہا ہے تاکہ چیچن جانباز ایک آزاد سرزمین پر اپنی پسندیدہ اسلامی انداز کی زندگی بسر کر سکیں۔ مگر زاروں اور کمیونسٹوں کے جانشین، موجودہ روسی حکمراں چیچنیا کی آزادی کو اپنی درندگی سے کچل دینا چاہتے ہیں۔

درندگی کے علمبردار روسیوں اور آزادی کے متوالے چیچن عوام کے مابین کشمکش جاری ہے۔ باہری دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ اہل مغرب کو اس بات پر فکر نہیں ہے کہ روسی درندے بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں بلکہ تشویش انہیں اس اثر پر ہے کہ اقتدار پر بورس یلتسن کی گرفت کمزور پڑتی جارہی ہے جس نہ صرف معاشی اصلاحات متاثر ہوں گی بلکہ وہ شدت پسند فوجی جمہوریت کا گلا گھونٹ کر دوبارہ اقتدار پر قبضہ کرکے اہل مغرب کو چیلنج کر سکتے ہیں جنہیں سرد جنگ میں شکست کھانے کا احساس دن رات ستاتا رہتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ قابل مذمت رویہ اقوام متحدہ کا ہے۔ اس ادارے کے مطابق چیچنیا کی جنگ روس کا اندرونی معاملہ ہے جس میں مداخلت کا اسے حق نہیں ہے۔ لیکن یہی ادارہ عراق میں کسی نہ کسی بہانے مداخلت کے نت نئے طریقے روزانہ ایجاد کرتا رہتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ یہ ادارہ در اصل اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ یا امریکی وزارت خارجہ کا نیویارک برانچ آفس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کی پالیسی میں بڑی حد تک یکسانیت ہے۔

...پڑوسی ممالک ہراساں

جدید خطوط پر پانچ سے دس لاکھ تک کی فوج موجود ہوگی۔ چین کی حالیہ تمام کوششوں اور اس کے سارے اقدامات کے باوجود بعض دیگر ماہرین کی نظر میں وہ اپنے نشانے کو حاصل نہیں کر پائے گا کیونکہ وہ ابھی بعض میدانوں میں ٹیکنولوجی کے اعتبار سے بہت پچھڑا ہوا ہے۔

> ...ظاہر کیا ہے کہ سن 2005 تک چین ... لاکھ تک کی فوج موجود ہوگی۔ چین کی ...ے اقدامات کے باوجود بعض دیگر ... نہیں کر پائے گا کیونکہ وہ ابھی بعض ...بار سے بہت پچھڑا ہوا ہے۔

میک نمارا گروپ کو چین کے ایک فوجی ذمہ دار ایڈمرل لیو ہواکنگ نے بتایا کہ ہمارے تمام فوجی زمروں میں اسلحے اور ہتھیار کی صورت حال امریکہ کے مقابلے میں بہت کمزور ہے جس کا ہمیں پورا احساس ہے۔ جدید کاری کی توقع ہم ضرور کرتے ہیں لیکن اس کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں۔ اگر ہم اقتصادی ضروریات کو پس پشت ڈالتے ہیں تو وہ ملک کے مفاد کے منافی ہوگا۔

بہرکیف چینی اور مغربی ماہرین اس خیال کے حق میں ہیں کہ چین کی طرف سے محدود سطح پر فوجی تعمیر وتشکیل بھی اس کے قریبی پڑوسیوں مثلاً ویت نام کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے جس کے دو بحری جہاز 1988 میں چینی افواج کے ساتھ تصادم میں تباہ ہوگئے تھے۔ بیجنگ میں سابق امریکی سفیر اور ایک عرصہ تک ایشیا میں سی آئی اے افسر کے مسئلے پر۔ جو کچھ ہمیں معلوم ہے اس کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ لوگ چین کے معاملے کو اس انداز سے پیش کرنے لگے ہیں کہ وہ بے ضرر ہے۔ چین کا کہنا ہے کہ وہ کوئی فوجی مقاصد نہیں رکھتا وہ وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جنوبی دریائے چین کے مسئلہ کا سیاسی حل ڈھونڈھنے میں تعاون کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس کا کوئی فوجی حل نہیں ہے اور معیشت کا پہلو پوری طرح چین کے پیش نظر ہے۔

اقوام متحدہ یا تلاطم خیز دریا میں بے پتوار کی کشتی

بطرس غالی کے سکریٹری جنرل بننے کے بعد سے یہ بین الاقوامی ادارہ مسلسل زوال پذیر ہے

سال کے اختتام پر ایک عمومی تقریب کا انعقاد اقوام متحدہ کی قدیم روایت رہی ہے جس میں سکریٹری جنرل کی دعوت پر اس عالمی تنظیم کے سربرآوردہ کارکنان شریک ہوتے تھے۔ یہ تقریب ان کے درمیان ذاتی روابط کو مزید مضبوط و مستحکم

بطرس بطرس غالی: جنرل سکریٹری اقوام متحدہ

کرنے کا موقع فراہم کرتی تھی جس کے طفیل اقوام متحدہ برے دنوں میں اپنے وجود کو سنبھالے ہوئے اپنا کام انجام دیتی رہی ہے۔

لیکن اب صورتحال بدلی ہوئی ہے۔ جناب بطرس غالی کے سکریٹری جنرل کا عہدہ سنبھالنے کے بعد سے گذشتہ تین سالوں سے اس سالانہ تقریب کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے اور جو لوگ اس میں شریک ہوتے تھے کم از کم ان کے لئے اس روایت کا انقطاع بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سرد جنگ کے فوراً بعد پیدا ہونے والی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ایک ذمہ دار نے کہا کہ کسی مشعل راہ کے بغیر ہمارے بھٹک جانے کی یہ ایک اور علامت ہے۔ یہ تاثر یقیناً مبالغہ آرائی پر مبنی ہے خصوصاً اس صورت حال میں جب اقوام متحدہ کے منشور اور عالمی ضابطے کی ایسی پوری تنظیم موجود جس کی نظیر گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ گذشتہ کسی وقت کے مقابلے میں 1994 کا سال اقوام متحدہ پر اس طرح گذرا جس میں تلاطم خیز دنیا میں وہ بے پتوار کی کشتی بن کر رہ گئی۔

اس کے زوال کی بنیادی وجہ امریکی قیادت کا غیر متوقع اضمحلال اور انفرادی یا اجتماعی طور پر اس سے پیدا شدہ خلاء کو پر کرنے میں دیگر حکومت کی ناکامی ہے۔ اور امریکی قیادت کے کمزور پڑنے کے اسباب خالصتاً داخلی نوعیت کے ہیں۔ نومبر کے انتظامات میں ڈیموکریٹک پارٹی کی شکست فاش نے اقوام متحدہ میں کلنٹن انتظامیہ کے نمایاں رول کی صلاحیتوں کو یقیناً متاثر کیا ہے۔ سرد جنگ کی فضا کے خاتمہ کے بعد سلامتی کونسل کے دائمی ممبران (برطانیہ، چین، فرانس، روسی وفاق اور امریکہ) سے اجتماعی طور پر جس مضبوط قیادت کی توقع بندھی تھی وہ 1994 میں ڈرامائی انداز میں دھندلی پڑ گئی۔

بوسنیا پر کسی قرار داد کو روکنے کی غرض سے ویٹو کا استعمال اس حقیقیت کا عکاس ہے کہ سلامتی کونسل کے مستقل ممبران کے درمیان سیاسی اختلافات خطہ بالکن کے مسئلہ پر کافی ابھر کر سامنے آگئے ہیں جہاں یورپین ممالک سب کے لئے خطرناک اور نسبتاً زیادہ بڑی جنگ کے خوف سے منتخب فوجی کارروائی کے امریکی موقف کی مخالفت کررہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دیگر مسائل پر بھی ان کے اختلافات سطح پر آچکے ہیں۔

مثلاً روانڈا اور ہیتی کے مسائل پر سلامتی کونسل کے مستقل ممبران کے درمیان اختلاف کسی بھی اقدام میں تاخیر کا سبب بنے ہیں۔ روانڈا میں کیا ہوا۔ بین الاقوامی سطح پر وہاں کے بحران کو روکنے کی خاطر کسی کارروائی میں بے سبب تاخیر کے نتیجے میں لاکھوں معصوم افراد کو نسل کشی خانہ جنگی میں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اقوام متحدہ کے اجلاس کا ایک منظر

اگر سلامتی کونسل کے مستقل ممبران میں تفریق پیدا ہوجائے تو ترقی یافتہ ممالک کی ساری طاقت نچوڑ اٹھے گی۔ 77 گروپ کی قیادت زیر نظر سال کے دوران فلپائن کے ہاتھ میں رہی ہے جو ترقی پذیر ممالک کے موقف کا کبھی حامی نہیں رہا۔ ناوابستہ تحریک کے ممبر ممالک کی سربراہی انڈونیشیا کررہا ہے جس کا کردار ترقی پذیر ممالک کے دفاع کے ضمن میں خاصا معتبر رہا ہے لیکن اس کی موجودہ رکنیت کا میلان کسی بھی مسئلہ پر پیش قدمی میں عدم دلچسپی کا ہے۔

اس پیچیدہ اور تغیر پذیر صورت حال میں اقوام متحدہ خود کو ڈانواڈول کیفیت میں محسوس کررہی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے 1994 کے دوران اقوام متحدہ نے جنوبی افریقہ میں عبوری حالات پیدا اور موزمبیق کی طویل خانہ جنگی کے سلسلے کو بند کرنے پر قادر حالیہ انتخابات جیسی اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں مجموعی طور پر اس پر ناکامی کا احساس طاری ہے جس کی روشن مثال صومالیہ سے بے آبروئی کے ساتھ واپسی اور اقتصادی اور سماجی ترقی کے میدانوں میں تنظیم کی گرتی ہوئی ساکھ ہے۔

> اس میں شک نہیں ہے 1994 کے دوران اقوام متحدہ نے جنوبی افریقہ میں عبوری حالات پیدا اور موزمبیق کی طویل خانہ جنگی کے سلسلے کو بند کرنے پر قادر حالیہ انتخابات جیسی اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں مجموعی طور پر اس پر ناکامی کا احساس طاری ہے جس کی روشن مثال صومالیہ سے بے آبروئی کے ساتھ واپسی اور اقتصادی اور سماجی ترقی کے میدانوں میں تنظیم کی گرتی ہوئی ساکھ ہے۔

اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروجیکٹوں کی مالی کفالت کے لئے سرد جنگ کی توجیہ کے خاتمے کی بناء پر اس میں ہاتھ بٹانے والے اہم ممالک نے امداد میں تخفیف شروع کردی ہے۔ اقوام متحدہ کے نظام کار کی مرکزی مالیاتی مشینری جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی متعدد الاطراف امدادی ادارہ ہے اسے تین سال سے برابر اس حاصل ہونے والے چندوں کی مقدار میں کمی واقع ہوتی جارہی ہے۔ کیا یہ مسلسل کمی کسی مرحلہ پر رکے گی یہ ایک بڑا سوال ہے جو 1994 کا سال اقوام متحدہ کے سامنے چھوڑے جارہا ہے۔

■ ■

یہ عالمی تنظیم باتونی سیاستدانوں اور معاملات میں بدنظمی پیدا کرنے والے افراد کا مجموعہ ہے

اقوام متحدہ کی پچاسویں سالگرہ اس کی ناکامیوں کے احتساب سے عبارت رہی

سال نو کی آمد اقوام متحدہ کے لئے خوش گوار ثابت نہیں ہوئی اس عالمی تنظیم کی پچاسویں سالگرہ کی تقریب میں پورے سال اس کی ناکامیوں کے احتساب سے متعلق دھواں دھار تقریریں گونجتی رہیں۔ ایسے گھسے پٹے لیکن حقیقت پر مبنی الزامات اخباروں کے ادارتی صفحات پر شائع ہوئیں کہ یہ تنظیم بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے باتونی سیاستدانوں اور معاملات میں بدنظمی پیدا کرنے والے افراد کا گڑھ ہے۔ اس بار بھی اصلاحات کے ضروری منصوبوں پر دھول ڈال دی جائے گی۔

ایسے میں گویا کہ ناقدوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اقوام متحدہ مارچ میں کوپن ہیگن میں سماجی ترقی پر عالمی کانفرنس کا انعقاد کررہی ہے۔ حسب سابق یہ کانفرنس بھی شمال۔ جنوب کے تناظر میں ہوگی اور بیشتر ترقی یافتہ ممالک کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلافات کے پیش نظر اسے واقعی عالمی کانفرنس بنانے کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ کوپن ہیگن میں جو مسائل زیر بحث آئیں گے ان میں سے اکثر کا تعلق شمالی دنیا سے ہوگا مثلاً اب تک فراہم کردہ بڑپیا باندھنے والی ملازمتوں کے بجائے معیاری روزگار کی فراہمی، سماجی انتشار سے پیدا شدہ بحران کا مسئلہ، اقتصادی مساوات اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم۔

کانفرنس کے نظام عمل کے مرتبین کے رویے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اس کا احساس ہے کہ اگر معاشرتی تقویت مقصود ہے تو ہر ملک کو ترقی کی طرف مائل تمدنی معاشرت کی ضرورت پڑے گی۔ یہ ضرورت یوروپ میں کمیونزم کے بعد پیدا ہونے والے خلاء اور خصوصاً بوسنیا کی خون آشام بربادی کے دور میں اور بھی شدید ہوجاتی ہے۔ انتشار زدہ امریکی نظام اور بڑھتی ہوئی نئی انتہا پسندی کو بھی اس ضرورت سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شمالی ممالک ہی میں نہیں بلکہ جنوب کے زیادہ ترقی یافتہ حصوں میں بھی ٹریڈ یونینوں اور سیاسی جماعتوں کا اثر کم ہورہا ہے۔ ہر جگہ حکومت خود بین الاقوامی کارپوریشنوں اور عالمی قرضہ جاتی اداروں کے سامنے کمزور پڑ رہی ہے۔ اتفاق رائے سے طے شدہ کسی فیصلے کے ذریعے معاملات درست نہیں ہوجائیں گے بلکہ سماجی ہم آہنگی اور تمدنی معاشرے کی نمائندہ تنظیموں کے فروغ اور ترقی کے حامی اداروں کو تقویت دینے کے لئے واضح اصطلاحات میں گفتگو کرنی ہوگی۔ جی۔ 77 جو اجتماعی طور پر جنوب کی نمائندہ ہے اس بات کا خواہش مند ہے کہ سماجی ترقی کی کانفرنس میں علاوہ طور پر ایسے مقاصد سے وفاداری کا اعلان کیا جائے جو متعلقہ منصوبوں کا نمایاں عنصر بن سکیں۔ اس کے جواب میں یورپی اتحاد تمام تر ساختیاری ترمیم وتبدیلی کو نظر انداز اور اعلان کے دیگر ابواب میں اس کے دھندلے سے شک وشبہ کو بھی دفن کردینا چاہتا ہے۔

> آخر میں یہ بھی کہہ دینا مناسب ہوگا کہ اقوام متحدہ کی چوٹی کانفرنس اگرچہ کم وبیش نشستند وگفتند پر ہی ختم ہوتی ہیں تاہم ان سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ عالمی سطح پر ہمارے سوچنے کا کب کیا انداز رہتا ہے۔

اس کے نتیجے میں جنوب اخلاقی سرمایہ کاری کے میدان میں پیچھے رہ جائے گا جو کسی حد تک شمال میں مہم جویانہ پیمانے پر چل رہی ہے۔

آخر میں یہ بھی کہہ دینا مناسب ہوگا کہ اقوام متحدہ کی چوٹی کانفرنس اگرچہ کم وبیش نشستند وگفتند پر ہی ختم ہوتی ہیں تاہم ان سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ عالمی سطح پر ہمارے سوچنے کا کب کیا انداز رہتا ہے۔ متمدن معاشرہ، اختیار سازی، جنسی مساوات، معذوروں کے حقوق، سماجی اور معاشی مقاصد کا ارتباط یہ سب محض فقرے نہیں ہیں۔ آسان الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ آئندہ نصف صدی میں اقوام متحدہ کو حکومتوں کے تحفظ کے لئے نہیں بلکہ عوام کے تحفظ کے لئے اپنا وجود قائم رکھنا چاہئے۔ سرد جنگ کے خاتمہ کی صحیح معنوں میں یہی علامت ہوگی۔

ہندوتو کی فرقہ واریت نے نہیں بلکہ کانگریس نے مسلمانوں کو محصور کیا ہے

ظفر جنگ نے اپنی چوتھائی صداقت سے شوری کی نصف صداقت کا جواب دینے کی شاطرانہ کوشش کی ہے

تحریر: سلطان شاہین

یہ کالم ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق مسلم و غیر مسلم دانشوروں کے مضامین کے لئے وقف ہے۔ اس میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ ان مضامین میں پیش کردہ نقطہ نظر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ایڈیٹر)

جناب ظفر جنگ نے کانگریس کی غلطیوں کو ہندوتو کی طاقتوں کے سر تھوپنے کی شاطرانہ کوشش میں ارون شوری کی نصف صداقت کا جواب اپنی چوتھائی صداقت سے دیا ہے۔ (ایشین ایج 20 دسمبر 94) مسلمان فریب خوردہ نہیں ہیں نہ ہی انہیں زیادہ دنوں تک یہ کہہ کر بیوقوف بنایا جاسکتا ہے کہ کانگریس ایک سیکولر اور لبرل قوت ہے اور نہ ہی انہیں ہندوتو کی طاقتوں سے بہت زیادہ خوفزدہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ سنگھ پریوار کانگریس کا ایک ایماندارانہ چربہ ہے۔ اس وقت کانگریس نے کھل کر سنگھ پریوار سے اتحاد کرلیا ہے اور اپنی ساکھ مسلمانوں میں بھی مضبوط کرلی ہے

ظفر جنگ کا دعوی ہے کہ اس وقت مسلمان محصور ہوکر رہ گئے ہیں۔ اس کا ذمہ دار وہ ارون شوری اور ان کے قبیل کے دوسرے لوگوں کو ٹھہراتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہندوتو کی طاقتوں کے ذریعے برپا کئے گئے فرقہ وارانہ فسادات کی بنا پر مسلمان زبردست جسمانی اور نفسیاتی عدم تحفظ کے شکار ہیں۔

ان میں سے ایک بھی بات سچ نہیں ہے ملک میں کہیں بھی فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوئے ہیں۔ جیسا کہ کانگریسی لیڈران خوف میں مبتلا ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جہاں کانگریس برسراقتدار نہیں ہے وہاں پر امن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا دور دورہ ہے۔ البتہ جہاں کانگریس اور بی جے پی برسراقتدار ہیں مثال کے طور پر مہاراشٹر اور دلی میں وہاں مسلمانوں کو منصوبہ بند طریقے سے ہراساں کیا گیا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے ان اشتعال انگیزیوں کا انتہائی صبر وضبط کے ساتھ جواب دیا ہے۔

مسلمانوں کو فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ذات پات کی بنیاد پر پیدا ہونے والی تقسیم کو روکا جاسکے۔

مسلمان اب اس کھیل میں پیادہ بننے کو تیار نہیں ہے۔ بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے قتل کا الزام ہندوتو کی طاقتوں کے سر ڈالنا بھی ایک بیکار بات ہے۔ صرف ان مقامات پر ایسے واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں جہاں کانگریس برسراقتدار ہے یا رہی ہے۔ مغربی بنگال میں مسلمانوں کا قتل اسی دن سے بند ہوگیا جب سے وہاں کمیونسٹوں کی حکومت قائم ہوئی ہے اسی طرح بہار اور اترپردیش میں بھی فسادات نہیں ہورہے ہیں جہاں کہ سوشلسٹ برسراقتدار ہیں، یہاں تک کہ بی جے پی کی ریاستوں میں بھی کوئی بڑا فساد نہیں ہوا ہے اور نہ ہی تیلگودیسم کی ریاست آندھرا پردیش اور اے آئی اے ڈی ایم کے کی ریاست تمل ناڈو میں ہی فسادات ہوئے ہیں، 1980 میں سکھوں کا قتل عام ان ریاستوں میں ہوا جہاں کانگریس برسراقتدار تھی۔

انکوائری کمیشنوں کے مطابق نیلی (1980) میرٹھ (1982۔1987) فیروز آباد (1992) ملیانہ (1987) ہاشم پورہ (1987) بھاگلپور (1989) حیدر آباد (0891) خورجہ (91۔1990) بنارس (1991) سیتا مڑھی (1991) سورت (93۔1992) اور بمبئی (1993) میں ڈائرکٹ پولس بربریت کی بات کہی گئی ہے۔ ظفر جنگ نے ان تمام مظالم اور دوسری ناانصافیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب سچ ہے مگر اس کے لئے ہندوتو کی طاقتوں کو مورد الزام کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ اس ملک میں آزادی کے بعد سے لیکر آج تک چند وقفہ حکمرانی کو چھوڑ کر کانگریس ہی حکومت کرتی چلی آئی ہے مرکز میں بھی اور ریاستوں میں بھی۔ اگر قصورواروں کو

> بے محل نہ ہوگا اگر یہاں میں مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھے ہوئے احساس کو واضح الفاظ میں بیان کروں۔ میں ارون شوری اور ان کے قماش کے دوسرے حضرات کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ وہی مسلمان جنہیں ووٹ بینک کے نام سے یاد کرکے ان کی توہین کی جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً اس ووٹ بینک کو ہلایا اور جھنجھوڑا جاتا ہے۔

مسلمانوں نے کانگریس اور آر ایس ایس کے کھیل کو سمجھ لیا ہے اور اس لئے انہوں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اپنے نوجوانوں میں وہ جنگ جوئیت کو پروان چڑھنے نہیں دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ان جلد باز افراد کو مسلمانوں کی جانب سے کوئی حمایت نہیں ملی جو بابری مسجد انہدام کی دوسری برسی پر ایودھیا میں نماز ادا کرنا چاہتے تھے۔ دراصل بے شمار مسلمانوں کا خیال ہے کہ ان نوجوانوں کو فرقہ واریت پھیلانے کے لئے انٹلی جنس بیورو کی جانب سے اس کی قیمت ادا کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر وہ دارالعلوم ندوہ العلماء لکھنو پر انٹلی جنس بیورو کے چھاپے کا واقعہ پیش کرتے ہیں کیونکہ اسے وہ اشتعال انگیزی کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔

آج مسلمانوں نے کانگریس اور آر ایس ایس کی کسی بھی اشتعال انگیزی کا دور سے تماشہ دیکھنے کا تہیہ کرلیا ہے، وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ کانگریس اور آر ایس ایس مسلمانوں کو مشتعل کرکے ہندوؤں اور

سزا نہیں دی گئی تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ مجرموں کو سزا دینے کے لئے کانگریس کو کون روکتا ہے؟ یہاں تک کہ اس وقت وہ مرکز میں برسراقتدار ہے لیکن کوئی کارروائی نہ کرنے پر اسے کس نے مجبور کیا ہے؟

کانگریس کے پروپیگنڈے پر عمل کرتے ہوئے ظفر جنگ نے ہندوتو کی طاقتوں کو خطرناک شکل دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ بزدلوں کا ایک اژدہام ہے۔ ایمرجنسی کی مثال سامنے ہے کس طرح آر ایس ایس کے قد آور لیڈروں نے وزیر اعظم کو تحریری معافی نامہ پیش کیا تھا جب کہ اندرا گاندھی نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ انہیں صرف جیلوں میں ڈال دیا تھا اور وہ بھی آرام دہ جیلوں میں جہاں ان کی بہتر طریقے سے دیکھ بھال کی جارہی تھی۔

اگر واقعی کانگریس یہ سمجھتی ہے کہ یہ تنظیمیں ملک کے لئے خطرناک ہیں۔ تو ان پر پابندی کیوں نہیں لگادیتی۔ میرا مطلب حقیقی پابندی سے ہے نہ کہ اس ڈرامے سے جیسا کہ بابری مسجد کے انہدام کے بعد پابندی کے نام پر کیا گیا۔

مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے کہ ہندوتو کی تنظیموں پر پابندی لگنی چاہئے، بہت سے مسلمانوں کی مانند میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر ملک کی اکثریت چاہتی ہے تو بہتر ہوگا کہ ان طاقتوں کو مرکز میں برسر اقتدار آنے کی اجازت دی جائے۔ جہاں بھی کانگریس اور سنگھ پریوار کا کوئی متبادل موجود ہے وہاں مسلمان بی جے پی کو ووٹ نہیں دیں گے۔ لیکن مہاراشٹر جیسی ریاست میں جہاں کہ ابھی تیسری طاقت معرض وجود میں نہیں آئی ہے مسلمان وہی کریں گے جو انہوں نے دلی کے بعض حلقوں میں الیکشن کے دوران کیا تھا وہ کانگریس جیسی منافق پارٹی کو ووٹ دینے کے بجائے بی جے پی جیسے ایماندار دشمن کو ووٹ دینا پسند کریں گے۔ (واضح رہے کہ یہ مضمون مہاراشٹر میں تیسری قوت کی تشکیل سے قبل لکھا گیا ہے۔)

ایک کرفیو زدہ شہر کا منظر، فسادات وہیں کیوں ہوتے ہیں جہاں کانگریس برسراقتدار ہوتی ہے۔

شیڈولڈ کاسٹ اور پسماندہ طبقات کے لئے بنائے گئے مالیاتی کارپوریشن پر شوری کی مخالفت پر ظفر جنگ بہت برہم ہیں، ملازمتوں اور تعلیم میں ان طبقات کے لئے پہلے سے ریزرویشن رکھا گیا ہے، لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ لوگ اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ لوگ انہیں دبائے رکھیں اور ان سے چھوا چھوت کا رویہ برتیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو وہ اس ملک میں حکومت کرچکے ہیں اگر وہ ملازمتوں کے مقابلے اور اسکول کالج میں داخلے کے اہل نہیں ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے برٹش دور میں ان کے ہاتھ سے اقتدار کی باگ ڈور چھننے کے بعد ہی انہیں ان کے مذہبی خول میں قید کردیا گیا۔ آزادی کے بعد کانگریس نے بھی انہیں اس خول میں بند رکھنے کی سازش کی، کیوں کہ یہی اس کے ووٹ بینک کی سیاست کے لئے مفید تھا۔

کانگریس نے سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر سیکولر مسلمانوں کو الگ تھلگ رکھ کر شاہی امام جیسے لوگوں کو آگے بڑھایا۔ تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کے ذمہ دار مسلمان خود ہیں، جب تک وہ جدید تعلیم کے تئیں اپنا رویہ نہیں بدلیں گے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ خوش قسمتی سے مسلمان ایسا کررہے ہیں، اقتصادی طور پر بھی وہ اچھے کام کررہے ہیں، چھوٹی چھوٹی صنعتوں کے میدان میں بھی وہ آگے آرہے ہیں جن کے لئے سرکاری لائسنس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کی حالت دلتوں کی حالت سے الگ نہیں ہے شوری کی "ٹھیکیداری" کی بات بالکل سچ ہے۔ مسلمانوں کے نام پر مالیاتی اداروں کو جو گرانٹ ملتی ہے وہ مسلمانوں کو نہیں مل پاتی، جنگ نے شوری کے ذریعہ مسلم اعتماد کے حصول کی کوشش کو چیلنج کیا ہے لیکن اگر شوری کانگریس کے لیڈر ہوتے تب بھی کیا جنگ ایسا ہی کہتے،

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کوئی لیڈر مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہے تو وہ وزیر اعظم راؤ ہیں یا پھر سابق مرکزی وزیر ارجن سنگھ ہیں۔

بے محل نہ ہوگا اگر یہاں میں مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھے ہوئے احساس کو واضح الفاظ میں بیان کروں۔ میں ارون شوری اور ان کے قماش کے دوسرے حضرات کو بھی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ وہی مسلمان جنہیں ووٹ بینک کے نام سے یاد کرکے ان کی توہین کی جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً اس ووٹ بینک کو ہلایا اور جھنجھوڑا جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نارتھ اور ساؤتھ بلاک کے دفتروں میں بیٹھے ہوئے کانشی رام، مایاوتی، لالو پرساد یادو کی کامیابی کے امکانات نے کانگریس اور ہندتو دونوں کی چولیں ہلادی ہیں۔ اگر وہ ایک ساتھ میدان میں اتر آئے تو یہ ضرور ہے کہ کچھ دنوں کے لئے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پائیں لیکن گاندھی مہاتما بدھ اور رام اور کرشن کی سرزمین پر سیاسی دیانتداری کا کسی حد تک مظاہرہ ہوسکتا تھا۔

بقیہ: ہمارا گھر آسودگی کا گہوارہ

میں بعض لوگ غفلت برتتے ہیں اور ہر عورت کے ساتھ حظ اٹھانے کے مواقع ڈھونڈتے ہیں جس کا اسلام شدید مخالف ہے کیوں کہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے اور اس کی مقرر کردہ حرمتوں کی پامالی کا حق کسی مرد یا عورت کو حاصل نہیں ہے۔

4۔ خاندان اور گھر کی حیثیت ایسی مملکت کی ہے جس کی متعینہ سرحدیں ہیں جو لوگوں سے اپنی حفاظت و نگرانی کا تقاضہ کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گھر کوئی عام گذر گاہ نہیں ہوتی کہ جس کا جب جی چاہے بے روک ٹوک آئے جائے اور جب ایسا ہے تو اس کے لئے واضع کردہ ضوابط کی پابندی بھی لازمی قرار پائے گی۔

دشمنان اسلام اور مرد کی قوامیت پر معترض افراد پر فاضل علماء کے یہ افکار یقیناً بجلی بن کر گریں گے۔ علماء اسلام نے اس پہلو پر بھی علمی انداز میں نظر ڈالی ہے۔

امام ابوالعزائم نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جو شخص اس پر قادر ہو کہ بارود پر آگ رکھ دے اور آگ کا اس پر کچھ اثر نہ ہو تو وہ بڑے شوق سے عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ ہر شعبہ حیات میں لاسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس پر قادر ہونا چاہے کہ کسی جانور کو سدھا کر اس کے ذہن میں اس کی اصل حیوانی فطرت محو کردے تو اس کا وہی حال ہوگا کہ سدھائی ہوئی شمع بردار بلیاں ایک دن شمعیں پھینک کر چوہے کے پیچھے بھاگیں تو سارا گھر جل کر خاک ہوگیا اور در و دیوار کی صورت بھی باقی نہ رہی۔

خطرناک گدھوں، زہریلے سانپوں اور پہاڑی شیروں کے جنگل میں بیس دن

ارجنٹینا کے دو گم شدہ معصوم بھائی بہنوں کا کارنامہ

چھ سالہ ڈینیل اور چار سالہ رمیرہ کسپ کے نام آج ارجنٹینا کے ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ دونوں بھائی بہن ارجنٹینا کے شمالی صوبے جوجوری کے ایک دور دراز گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ یہ علاقہ گھنے جنگلوں اور پہاڑوں کا علاقہ ہے جہاں خطرناک قسم کے گدھ، جنگلی سور، پہاڑی شیر اور زہریلے سانپوں کی بہتات ہے۔ اگر کوئی شخص اس علاقے کے گھنے جنگل میں گم ہو جائے تو اس کی موت تقریباً یقینی سمجھی جاتی ہے، مگر ڈینیل اور رمیرہ 20 دن سے زائد عرصے تک گھنے جنگلوں میں گم ہو جانے کے باوجود آج بھی معجزاتی طور پر زندہ ہیں۔ ڈینیل خصوصاً بہت ذہین اور بہادر بچہ ہے۔ اس نے نہ صرف خود کو بلکہ اپنی بہن کو بیس دنوں تک کسی نہ کسی طرح زندہ رکھا۔ وہ چار سالہ رمیرہ کو بہلا پھسلا کر جنگلی پھل کھلاتا اور اپنی اجلیوں سے پانی پلاتا رہا تاکہ وہ زندہ رہ سکے۔

جیسے ہی دونوں بچوں کی گمشدگی کی رپورٹ پولس کو ملی ایک 40 نفری تلاش پارٹی تشکیل دی گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب "تلاش پارٹی" مایوس ہو کر اپنا آپریشن ختم کرنے کا پروگرام بنا چکی تھی، مگر ڈینیل اور رمیرہ کو پانے کی ایک موہوم امید نے انہیں اپنے مشن کو جاری رکھنے پر مجبور رکھا۔

یہ علاقہ گھنے جنگلوں اور پہاڑوں کا علاقہ ہے جہاں خطرناک قسم کے گدھ، جنگلی سور، پہاڑی شیر اور زہریلے سانپوں کی بہتات ہے۔ اگر کوئی شخص اس علاقے کے گھنے جنگل میں گم ہو جائے تو اس کی موت تقریباً یقینی سمجھی جاتی ہے، مگر ڈینیل اور رمیرہ 20 دن سے زائد عرصے تک گھنے جنگلوں میں گم ہو جانے کے باوجود آج بھی معجزاتی طور پر زندہ ہیں۔

دونوں بچے اپنے خاندانی فارم کے ایک چھوٹے سے گھر میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے تھے۔ گم ہونے کے دن ان کے والدین اپنی بھیڑوں کی دیکھ بھال کے لئے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ کیوں کہ ایک خطرناک پہاڑی بلی ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ جب والدین کو گھر لوٹنے میں ذرا دیر ہوئی تو دونوں بچے ان کی تلاش میں گھر سے باہر آ گئے اور راستہ بھٹک کر جنگل میں کھو گئے۔

چونکہ بچوں کا گھر شہری سہولتوں سے محروم ایک دور دراز دیہاتی علاقے میں واقع ہے اس لئے پولس کو اطلاع کرنے میں بھی دو ہفتہ سے زائد کا عرصہ لگ گیا۔ بہرحال پانچ دن کی زبردست تلاش کے بعد انہیں زندہ سلامت تلاش کر لیا گیا۔ تلاش پارٹی کے ایک ممبر نے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک معجزہ ہے۔ مگر دونوں بچے اس لئے زندہ رہ سکے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی انہیں جھاڑیوں میں گزاری ہے۔ اور اس طرح انہیں معلوم ہے کہ کون سا پھل کھانا ہے اور یہ کہ کون سا جانور خطرناک ہے۔" تلاش پارٹی کے ایک دوسرے ممبر اینجل استیویز نے صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ "کوئی بچہ ان حالات میں چند دنوں سے زیادہ زندہ نہ رہ پاتا۔" اینجل نے مزید کہا کہ جب دونوں بچے ہمیں ملے تو ہماری آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے۔

دونوں بچے جب تلاش پارٹی کو ملے تو وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ خصوصاً رمیرہ کا برا حال تھا۔ جب وہ ملے ہیں تو نہ تو ان کے منہ سے کوئی لفظ نکل سکا نہ وہ چیخ سکے جس کی ایسے مواقع پر فطرتاً توقع کی جاتی ہے۔

اینجل نے کہا کہ ڈینیل ایک بہادر اور ذہین بچہ ہے۔ یہ محض اسکی جرآت اور ذہانت ہے جسکی وجہ سے اس کی بہن آج زندہ ہے۔ جب وہ تلاش پارٹی کو ملا تو اپنی بہن کو پھل کھلانے اور چشمے کا پانی پلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت تک دونوں بچے اپنے گھر سے 40 میل کی دوری تک پہونچ چکے تھے۔ تلاش پارٹی پہلے انہیں قریب کے ایک اسکول لے گئی جہاں انہیں فرسٹ ایڈ دی گئی۔

دونوں بچے جب تلاش پارٹی کو ملے تو وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ خصوصاً رمیرہ کا برا حال تھا۔ جب وہ ملے ہیں تو نہ تو ان کے منہ سے کوئی لفظ نکل سکا نہ وہ چیخ سکے جس کی ایسے مواقع پر فطرتاً توقع کی جاتی ہے

پہاڑیوں میں زبردست بارش کی وجہ سے ڈینیل کے گاؤں کا راستہ مخدوش ہو گیا ہے۔ جس پر سفر کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ بہادری کی یہ کہانی لکھنے وقت تک دونوں بچوں کے ملنے کی خبر ان کے ماں باپ کو نہیں دی جا سکی تھی۔ اصلاً وہ نخروں پر صوبائی دارالحکومت لے جائے جا رہے ہیں۔ جہاں ان کا پورا میڈیکل چیک اپ ہوگا۔ اور بارش کے رکنے اور راستہ صاف ہونے کے بعد انہیں ان کے ماں باپ کے پاس لے جایا جائیگا۔ ڈینیل کے گھر پر کوئی ٹیلیفون بھی نہیں ہے کہ ان کے ملنے کی خوشخبری ان کے والدین کو دی جا سکے۔ دور دراز علاقے میں رہنے کی وجہ سے اخباری نمائندے بھی بچوں تک نہیں پہونچ پائے ہیں بلکہ وہ صوبائی دارالحکومت ہی میں ان کی آمد کے منتظر ہیں۔

دونوں بچوں کی تلاش میں پوری قوم کو دلچسپی ہو گئی تھی۔ شاید بہت جلد جب یہ اخبار آپ کے ہاتھوں میں ہو، ان بہادر بچوں کی شکلیں ٹیلی ویژن پر دیکھ سکیں۔

منشیات فروشی۔ ایک فائدہ بخش مگر ہلاکت خیز بین الاقوامی تجارت

ماہ دسمبر میں دہلی میں منعقد انٹرنیشنل کرمنل پولیس کمیشن (انٹرپول) کی چار روزہ کانفرنس کے اہم موضوعات تھے منشیات کی ناجائز تجارت، دہشت گردی، اقتصادی خلاف ورزیاں اور اسلحہ کی غیر قانونی تجارت۔ اس موقع پر انٹرپول کے سکریٹری جنرل نے کہا کہ اس تنظیم کو اور اس کے ممبر ممالک کو سب سے زیادہ خطرہ منشیات کی تجارت سے لاحق ہے جس سے ہر سال تقریباً چار سو بلین ڈالر کمائے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سوویت یونین کے ٹوٹنے اور وہاں پر نئی ریاستوں کے قیام سے منشیات کی تجارت میں ملوث افراد کو اس وبا پر قابو پانے کی تدبیروں پر غور کرنا چاہئے۔ یوروپ میں واقع ہونے والی جرائم کی وارداتوں میں نصف سے زیادہ کا تعلق منشیات سے ہوتا ہے اور اگر پولس فورس اس کی تجارت کو روکنے پر قادر ہو جائے تو جرائم کی شرح ورفتار میں اپنے آپ کمی ہو جائے گی۔ سکریٹری جنرل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ انٹرپول کے علم میں ریڈیو ایکٹو مادے کی چوری کے واقعات آئے ہیں اور اس کی نگرانی کے لئے ایک بین الاقوامی ورکنگ گروپ کا قیام عمل میں آنے والا ہے تاہم کوئی بھی دہشت گرد گروہ اس سے نیوکلیائی اسلحے تیار نہ کر پائے گا کیونکہ اس کی سہولتیں کسی کو میسر نہیں ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اسلحہ کی غیر قانونی تجارت کی طرح منشیات کی تجارت بھی انسان کے لئے مہلک ترین لیکن سب سے زیادہ منافع بخش تجارت بھی ہے۔ منشیات لانے لے جانے والے گروہ ان کی پشت پناہی کرنے والی حکومتوں اور اس سے کمائی گئی دولت کو جائز بنانے والے بینک جب تک موجود ہیں اس لعنت کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔

نشے کا عادی ایک شخص حشیش کے تباہ کن سرور سے لطف اندوز ہو رہا ہے

چند دہائیوں قبل منشیات کی تجارت کے مراکز زیادہ تر متمول اور ترقی یافتہ ممالک میں ہی تھے لیکن اب تو الیکٹرونک کے سامان کی طرح دنیا میں ہر جگہ اس کا دور دورہ ہے اور کوئی ملک اس سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ ایک تشویشناک بات تاہم اس سلسلے میں یہ ہے کہ شرق اوسط اور بعض دیگر خطوں میں منشیات مخالف جنگ کی سپہ سالاری امریکیوں اور یوروپیوں کے ہاتھ میں ہے جو عرب ممالک کو منشیات فروشوں پر کڑی نگاہ رکھنے کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ وہی منشیات فروشی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ان کی سرگرمیوں کی طرف چشم پوشی برتتے ہیں تاکہ ان ممالک کی فضا مسموم ہو۔

بقیہ : گجرات میں کامیابی کی نکیل

روایتی طور پر کانگریس نے مسلمانوں کو پھر سے اپنے دام میں اسیر کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے اختیار کرنے شروع کر دیے ہیں۔ ایک طرف اگر بھاجپا کی فسطائیت کا خوف پیدا کر کے مسلمانوں کو نفسیاتی طور پر قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی ہے تو دوسری طرف ٹاڈا کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے زبانی دعوے اور یقین دہانیوں کا سلسلہ دراز کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں پچھلے دنوں وزیر مملکت برائے داخلی امور راجیش پائلٹ اور مرکزی وزیر ریلوے جعفر شریف کا دورہ گجرات کافی اہمیت کا حامل تھا، جس کا مقصد ٹاڈا اور پاسا کے تحت گرفتار شدہ معصوم مسلمانوں پر مظالم کے خلاف ریاستی حکومت سے گفتگو اور ان کالے قوانین کے مزید غلط استعمال کے متعلق حکومت کو انتباہ کرنا اور مسلمانوں کو اس کی یقین دہانی کرانی تھی، تاکہ ان کے غم وغصے میں تخفیف ہو سکے۔

گرچہ راجیش پائلٹ اور جعفر شریف کے ریاستی دورے کے وقت کانگریس کے ریاستی جنرل سکریٹری احمد پٹیل اور صدر پربودھ راول پر مشتمل ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی تھی جس کا مقصد ٹاڈا کے غلط استعمال اور معصوم مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں اور ان پر چلائے جا رہے مقدمات پر نظر ثانی کے لئے حکومت کو سفارش کرنا تھا، لیکن اس کمیٹی کے ذریعے ایسے معاملات کی چھان بین اور شناخت کے بعد دی گئی سفارشات پر اب تک موجودہ ریاستی حکومت کے سربراہ چھبیل داس مہتہ کی جانب سے نہ تو کوئی کارروائی کی گئی اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی مناسب قدم ہی اٹھایا گیا ہے۔

کانگریس نے اس واقعہ سے سبق حاصل نہیں کیا کہ گذشتہ دنوں میونسپلٹی انتخابات میں مسلم آبادی والے علاقوں میں کانگریس کو خاصی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بالخصوص جھج، بھروچ، انکلیشور، مداسا، کیمبے، ہمت نگر، گاندھی دھام اور دوحد جیسے شہروں میں مسلمانوں کی قابل لحاظ آبادی کے کانگریس مخالف رویے کے سبب کانگریس کو کافی خسارہ اٹھانا پڑا۔

لیکن مضبوط متبادل کی عدم موجودگی کے باوجود گجرات میں تیسری قوت کے ابھرنے کے امکانات ظاہر ہونے لگے ہیں، کیونکہ حیرت انگیز طور پر حالیہ میونسپلٹی انتخابات میں مسلم آبادی والے حلقوں میں بہوجن سماج پارٹی کے امیدواروں کو خاصی تعداد میں ملی کامیابی سے ریاستی سطح پر دلت مسلم محاذ کے ورود کے متعلق سیاسی حلقوں میں زبردست سرگوشیاں جاری ہیں۔ جو کانگریس کے لئے اسی قدر حوصلہ شکن ہے جس قدر بھاجپا کے لئے۔

کیونکہ بہوجن سماج پارٹی کی ریاستی شاخ نے میونسپلٹی انتخابات میں اپنی غیر متوقع کامیابی کے پیش نظر آئندہ انتخابات میں ملائم سنگھ کی سماج وادی پارٹی کے ساتھ مل کر ریاست کی 182 نشستوں میں سے بیشتر اور بالخصوص ان حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑے کرنے کا اعلان کیا ہے، جہاں دلتوں اور اقلیتوں کی تعداد فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، اقلیتوں اور دلتوں کی کانگریس سے دوری فسطائی قوتوں کی جارحانہ پالیسیوں سے ان کی دہشت زدگی اور بہوجن سماج اور سماج وادی پارٹی کی جانب ان کے پر امید جھکاؤ نے ریاست کی انتخابی سرگرمیوں کو نئی جہت عطا کر دی ہے، جسے سیاسی مبصرین ریاست کی تیسری اہم قوت اور تیسرے محاذ کے ورود سے تعبیر کر رہے ہیں، امکان ہے کہ آنے والے چند ہفتوں کے اندر اس ابھرتی ہوئی تیسری قوت کی صحیح حیثیت اور اس کی واضح شکل کھل کر سامنے آسکے گی۔

کیا کسی کے ذہن میں اس معصوم بچے کی شبیہ محفوظ ہے جس کے منہ میں گولی ماری گئی

سراجیو سے خون میں ڈوبا ہوا ایک مکتوب

سراجیو میں سردی کا موسم پھر آگیا ہے اور لوگ پہلے کی طرح ایک بار پھر فقر وفاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ گرمیوں کے دوران کم از کم اتنا تو تھا کہ خارجی دنیا سے رابطے کے لئے ایک شاہراہ کھلی تھی۔ محسوس ہوتا تھا کہ شاید حالات بدل جائیں۔ اس وقت ہلکی سی امید ضرور تھی لیکن اب وہ رہی سہی امید بھی دم توڑ چکی ہے۔ ہم لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ "سراجیو کو تباہ ہونے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا" سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح کے الفاظ زبان سے نکالتے ہیں انہیں واقعی حقیقت کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ دنیا یا کم از کم اس کا وہ حصہ جو فیصلوں پر قادر ہے کبھی بھی سرے سے سراجیو یا بوسنیا کے ساتھ رہا ہی نہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ سال نو کی آمد کے ساتھ سراجیو کو محاصرہ میں رہتے ہوئے ایک ہزار دن ہوگئے ہیں گویا کہ تنہائی وکس مپرسی کے ایک ہزار دن اور راتیں۔ لوگ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اب ہمیں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارا ساتھ کبھی دیا ہی نہیں گیا۔

شاید کسی ذہن میں اس سات سالہ معصوم بچے کی شبیہ آج بھی محفوظ ہو کہ سراجیو کے قلب میں اس کے منہ کا نشانہ لے کر کمین گاہ سے گولی داغی گئی تھی جب وہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک مسلح سپاہ بردار فوجی ٹرک کے پاس سے گذر رہا تھا جاں کنی کے عالم میں وہ بچہ تارکول کی سڑک پر منہ کے بل لیٹا ہوا تھا اور خون میں تربتر اس کا بایاں ہاتھ سر کی طرف اٹھا ہوا تھا اور اس کا نام تھا نرین ڈانویووک ایسا نہیں کہ وہ اچانک گولی یا بم لگنے سے ہلاک ہوا ہو۔ ایک سرب فوجی نے چھپ کر باقاعدہ اپنی دور بین سے اس کا نشانہ لیا اور تب رائفل کی لبلبی دبائی اسی کمیں پوش قاتل نے نرمن کی ماں پر پیٹ کا نشانہ لے کر گولی چلائی تاکہ وہ فورا دم توڑنے کے بجائے خود سے پہلے اپنے بیٹے کا انجام آنکھ سے دیکھ لے۔

> ایسا نہیں کہ وہ اچانک گولی یا بم لگنے سے ہلاک ہوا ہو۔ ایک سرب فوجی نے چھپ کر باقاعدہ اپنی دور بین سے اس کا نشانہ لیا اور تب رائفل کی لبلبی دبائی اسی کمیں پوش قاتل نے نرمن کی ماں پر پیٹ کا نشانہ لے کر گولی چلائی تاکہ وہ فورا دم توڑنے کے بجائے خود سے پہلے اپنے بیٹے کا انجام آنکھ سے دیکھ لے۔

سراجیو اور بوسنیا ہرزیگووینا پورے خطے کی یہی حقیقت ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بقول اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بطرس غالی فریق (الف) اور فریق (ب) کے درمیان سنگین جنگ جاری رہی ہے۔ سراجیو کے باشندے بطرس غالی کو بتانا چاہتے ہیں کہ نرمن ڈائیووک جس کے چہرے پر گولی داغی گئی وہ فریق الف نہیں تھا اور اس طرح جس نے اسے قتل کیا وہ فریق "ب" نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ دورے کے موقع پر بطرغالی کا استقبال ایسی نفرت انگیز سرگوشیوں سے کیا گیا جو اس شہر میں پہلے کبھی نہیں سنی گئی تھیں۔ ان کے استقبال کے لئے دو طرح کے نعرے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو شاید انسانی امداد کے سامان کے ڈبے سے گتہ کاٹ کر بنایا گیا تھا جس پر لکھا تھا "غالی ہٹلر" اور اسی سے ملتے جلتے دوسرے گتے پر لکھا تھا "غالی انسان نہیں ہے" پہلا نعرہ یہاں کے سیاسی خیالات ورجحانات کا ترجمان ہے یعنی کہ فاشزم کے وزنی بوٹ بوسنیا کے شہریوں اور ایک طرح کی نئی ہٹلر پرستی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ دوسرے نعرے سے اقوام متحدہ کے تئیں سراجیو کے نفرت کے اظہار کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بطرس غالی کو شاید خبر بھی نہ رہی ہوگی کہ یہ چار الفاظ سراجیو کے داستانوی تماشہ بازوں کے لئے سب سے ہلکا طمانچہ تھے جس کا انہوں نے کبھی تصور نہ کیا تھا۔

آخر اس معصوم بچے کا قصور کیا تھا؟

بطرس غالی کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہے۔ شاید ایسا ہی ہے۔ ان کا یہ اندازہ کہ وہ بلٹ پروف جیکٹ کے بدلے میں کسی کو اپنا کشمیری شال اور کوٹ نہیں دیں گے۔ پیسوں کے نقطہ نظر سے درست ہے شہر میں ان پر کوئی گولی نہ داغے گا کیونکہ وہ ایک ایسی تنظیم کی سربراہی کر رہے ہیں جس کے لئے سراجیو کے عوام کے دلوں میں مذمت کا جذبہ نہیں بلکہ نفرت کا ہے۔

اگر کوئی بطرس غالی اور ان کے عملے کے سامنے ہاتھوں میں نعرے لکھے ہوئے جھنڈے اٹھائے ہوئے لڑکیوں کے چہروں کی طرف دیکھتا تو نظر آتا کہ وہ ان پر ہنس رہی تھیں۔ بصورت دیگر "فلاں شخص آدمی نہیں ہے" کا نعرہ لگانے والے سراجیوی سخت جان عوام ہی ہیں نیلے خود پہننے والے سپاہیوں کی موجودگی برداشت کرلیتے۔ اقوام متحدہ کے کمانڈروں کی تنبیہ کے باوجود کہ ایسی کارروائی بہت مشکل اور پیچیدہ ثابت ہوگی۔ ایک گولی داغے بغیر میدان جنگ سے واپسی اختیار کرنا ہمیشہ مشکل اور پیچیدہ کام رہا ہے۔

> یہ کہنا کہ ہمیں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ سال نو کی آمد کے ساتھ سراجیو کو محاصرہ میں رہتے ہوئے ایک ہزار دن ہوگئے ہیں گویا کہ تنہائی وکس مپرسی کے ایک ہزار دن اور راتیں۔ لوگ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اب ہمیں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارا ساتھ کبھی دیا ہی نہیں گیا۔

دنیا کے جس حصے میں ہم رہتے ہیں اس میں والدوں یعنی مردوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے سات سالہ بچوں کی حفاظت کریں۔ اسے ایک قدرتی فرض سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پر جو شخص ایسا نہیں کرتا بلکہ کر سکتا تھا اسے آدمی نہیں سمجھا جاتا کیونکہ اس کے پاس میزائل اور لڑاکا جہاز ہیں جنہیں وہ طلب کر سکتا ہے۔ سراجیو کے متشددین کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے چاہے وہ غالی سے کہیں یا اقوام متحدہ سے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ کوئی کھیل نہیں ہے۔ یہ انسانی بد قسمتی ہے اور ابھی اس کا ازالہ شروع نہیں ہوا ہے۔ جب تک ایسا ہو اس وقت تک بچوں کی دیکھ بھال کے لئے زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔ اور تبھی یہ قابل فتح بھی ہوسکتا ہے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

بیہاچ کی معرکہ آرائی سے جنگ بندی کو خطرہ

شمال مغربی بوسنیا میں جنگ بھڑک اٹھنے پر بوسنیائی صدر نے کہا ہے کہ نو وضع کردہ جنگ بندی صرف عارضی طور پر نافذ کی گئی تھی اور اسے یکسر ختم کیا جاسکتا ہے۔ چار ماہ کی مدت کی جنگ بندی جس کا آغاز نئے سال کے ساتھ ہوا تھا اس کا مقصد بوسنیائی حکومت اور سربیاوں دونوں کو دیر پا امن کی راہیں ڈھونڈھنے کا وقت اور موقع فراہم کرنا تھا۔ لیکن اس مسئلہ پر کہ کیا ان کے مابین سمجھوتے کی شرائط کی تعمیل ہورہی تھی گذشتہ جمع کو جانبین کے درمیان تنازعہ کھڑا ہوگیا۔ بوسنیائی صدر کو سب سے زیادہ تشویش شمال مغربی خطے میں مستقل جاری رہنے والی جنگ کی طرف سے تھی جہاں جنگ بندی معاہدہ سے منحرف بوسنیائی سربیوں کے حلیف، کروشیائی سرب اور مذہب سے برگشتہ مسلمان حکومت کی فوجوں سے برابر پنجہ لئے ہوئے ہیں۔

توپ اور دیگر آتشی اسلحوں کے ستر سے زائد گولے جمعہ کے روز ولیکا کلادوسا میں گرے اس کے علاوہ ہلکے ہتھیاروں اور مشین گنوں کے چلنے کی اکا دکا آوازیں بھی سنی گئیں۔

شمالی بوسنیا کے سرب قبضہ کے قریہ دوبوج پر بھی بمباری ہوئی اور سراجیو کے شمال میں بوسنیائی سربوں کے داغے گئے توپ کے دس گولے آکر گرے۔ صدر عزت بیگ وچ نے اقوام متحدہ کے ایک ذمہ دار لیسوہی اکاشی کو اپنے ایک خط میں لکھا کہ "شمال مغربی بوسنیا میں گروہی جنگ اس جنگ بندی پر حرف گیری کا موقع دیتی ہے جس کے حصول کے لئے ہم سب نے اس قدر کوشش کی تھی ہم سربیائی فریق کو بیہاچ کے علاقے پر موثر حملے کی غرض سے اس جنگ بندی کو استعمال کرنے نہیں دیں گے۔ اس کا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں" اور بوسنیا۔ کروشیا مسلم فیڈریشن کے لیڈر جنہوں نے چند روز قبل جنگ بندی معاہدے میں شمولیت کی ہے ایک فوجی یونٹ کے سامنے بڑے واضح الفاظ میں کہا کہ "جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی اور منصفانہ امن کی صورت ابھی دکھائی نہیں دیتی۔ جو

> شمال مغربی بوسنیا میں گروہی جنگ اس جنگ بندی پر حرف گیری کا موقع دیتی ہے جس کے حصول کے لئے ہم سب نے اس قدر کوشش کی تھی ہم سربیائی فریق کو بیہاچ کے علاقے پر موثر حملے کی غرض سے اس جنگ بندی کو استعمال کرنے نہیں دیں گے۔

کچھ ہم سیاسی ذرائع سے نہیں حاصل کرسکتے اسے فوجی طاقت سے حاصل کرو کیونکہ ہمیں اس کا حق ہے"

دوسرا تنازعہ حکومتی فوجوں کی تعیناتی اور سراجیو کے جنوب مغرب میں ماؤنٹ اگمام پر راستہ کھولنے کے مسئلہ پر سامنے آیا۔ اس مقام پر فوجوں کو علیحدہ کرنے کے سلسلے میں مذاکرات بھی معلق ہیں۔ بوسنیائی حکومت کو غیر عسکری علاقے سے اپنی افواج کو ہٹانا تھا اور اسی طرح سربوں کو بھی شہر جانے والے راستوں کو کھولنے کی اجازت دینے تھے۔ لیکن خراب موسم کے ہاتھوں تمام کوششیں ناکام ہوگئی ہیں اور اقوام متحدہ حکومت کے ان دعوے کی تصدیق کرنے کی حالت میں نہیں ہے کہ اس کی فوجیں ہٹالی گئی ہیں۔ فریقین کے نمائندوں نے گذشتہ ہفتے بوسنیائی فوجی سربراہ لیفٹننٹ جنرل مائیکل روز سے ملاقات کی تھی۔ اس کے بعد بوسنیائی حکومت کے نمائندے حسن مور اتووک نے کہا کہ حکومت کی تمام فوجیں واپس بلالی گئی ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مذاکرات میں شریک سربیائی نمائندے غیر عسکری علاقے کی حدود کو بڑھانے کی کوشش کررہے تھے۔

خوشنما اور دیدہ زیب

عیدی کارڈ

جنہیں پیش کر کے آپ دشمنوں کو بھی دوست بنالیں
چار رنگوں میں، عمدہ کاغذ، بہترین طباعت معیاری آرٹ
اور قرآنی آیات سے مزین، مناسب قیمت
ایجنٹ، بک فروش اور خواہش مند حضرات فوراً رابطہ کریں

پتہ : AtoZ پبلیشرز
49، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

مناسب رشتے

☆ خوبصورت 27 سالہ تعلیم یافتہ مطلقہ کے لئے جس کی چھ ماہ کی ایک بچی ہے، تیس سے چھتیس سال کے سنی مسلم شخص سے رشتہ مطلوب ہے۔ معتبر اور سنجیدہ حضرات ہی رجوع فرمائیں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 18

☆ سنی مسلم ایم ڈی ایس ڈگری یافتہ ڈاکٹر 27 سالہ (قد چھ فٹ) لڑکی کے لئے ڈاکٹر، انجنیر یا اکزیکٹو سے رشتہ مطلوب ہے۔ اشتہار کا مقصد بہتر انتخاب ہے۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 19

☆ خوبصورت گھریلو 27 سالہ پوسٹ گریجوئیٹ سنی سید لڑکی (قد 5 فٹ 3 انچ) کے لئے تعلیم یافتہ اور خوشحال بر سر روزگار نوجوان سے رشتہ درکار ہے۔ مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 20

☆ سنی مسلم پٹھان، خوبصورت 19 سالہ (قد 5 فٹ 3 انچ) گریجوئیشن کی طالبہ کے لئے موزوں رشتے کی تلاش ہے۔ لڑکی کے والد معزز گھرانے سے تعلق رکھنے والے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ خواہش مند حضرات براہ کرم تصویر اور بایوڈیٹا ارسال فرمائیں اور لڑکے کی متوقع پانچ عددی آمدنی بھی لکھیں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 21

☆ علی گڑھ میں مقیم 23 سالہ گوری رنگت والی (قد پانچ فٹ) گریجوئیٹ، مہذب خاندان کی لڑکی کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ مراسلات کا پتہ:
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 22

☆ خوبصورت دراز قد (ساڑھے پانچ فٹ تقریبا) پوسٹ گریجوئیٹ فائنل ایر کی طالبہ کے لئے جس کے والد ایڈیشنل سکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ ملک یا بیرون ملک بر سر روزگار لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ ضروری تفصیلات اور تصویر کے ساتھ خط و کتابت کریں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 23

☆ انصاری برادری کی تدریس کے پیشے سے وابستہ دو لڑکیوں کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ عمریں 24 اور 25 سال قد پانچ فٹ دو انچ، تعلیم ایم اے تاریخ، ایم اے انگریزی، والد ایر فورس افسر، بھائی الکٹرونکس انجینیر اور سابق ایر فورس افسر، جلدی خلیج جانے کی تیاری میں۔ شادی جلد ہونی ہے۔ خواہش مند حضرات تصویر و تفصیل ارسال فرمائیں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 24

☆ سنی شیخ گندمی رنگت والی 26 سالہ (قد 5 فٹ تین انچ) ایم اے بی ایڈ ڈگری یافتہ دہلی کے گورنمنٹ اسکول میں ملازم لڑکی کے لئے مناسب رشتہ مطلوب ہے۔ تصویر اور ذاتی کوائف کے ساتھ خواہش مند حضرات رجوع فرمائیں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 25

☆ ایک معزز سنی مسلم خاندان کی خوبصورت، گھریلو، مذہبی، کانوینٹ کی تعلیم یافتہ اور پرائیویٹ کمپنی میں چار ہزار روپئے ماہانہ تنخواہ پر ملازم 24 سالہ (قد ساڑھے پانچ فٹ تقریبا) لڑکی کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ جلد اور اہتمام کے ساتھ شادی کرنی ہے۔ تفصیل اور تصویر کے ساتھ مراسلات کریں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 26

☆ اعلی تعلیم یافتہ خاندان کی 24 سالہ (قد پانچ فٹ دو انچ) ایم اے ڈگری یافتہ لڑکی کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ خواہش مند حضرات مکمل تفصیلات سے آگاہ فرمائیں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 27

☆ ایک انجنیرنگ گریجوئیٹ بر سر روزگار 25 سالہ (قد پانچ فٹ) کے لئے وسیع الذہن سنی مسلم اچھے کیریر اور پروفیشنل ڈگری یافتہ ملک یا بیرون ملک مقیم لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ مندرجہ ذیل پتے پر مراسلات کریں۔
رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 28

بقیہ : لبنان کی دھماکہ خیز سیاست

رفیق حریری اپنے تیسرے استعفی کو قبول کرنے پر بضد تھے۔ مگر لبنان کے تاجروں اور ملک میں دولت لگانے والے دوسرے ممالک کے شہریوں کے لئے یہ قابل قبول نہیں تھا حریری کے استعفی کو انہوں نے لبنان کے لئے نقصان دہ بتایا۔ اپنے نقصان کو ملک کا نقصان بتا کر پیش کرنا اہل ثروت کا پرانا اور آزمودہ طریقہ ہے۔

مگر حریری چونکہ تاجر ہیں اور انہیں کی وجہ سے باہر ممالک کے تاجر بھی لبنان میں اپنا پیسہ لگانے پر آمادہ ہوتے ہیں، اس لئے ان کے استعفی کا اثر تو پڑنا ہی تھا خصوصا لبنانی کرنسی پر۔ 1992 سے لبنانی پونڈ کی عالمی بازار میں قیمت بڑی اچھی رہی ہے جسے حریری کے استعفی کے بعد برقرار رکھنے کے لئے لبنان کے سنٹرل بینک کو اپنے محفوظ سرمائے (ذخیرہ) میں سے تین سو ملین ڈالر خرچ کرنا پڑا۔

اس صورتحال کے پیش نظر شام نے لبنان کے اس سیاسی جھگڑے میں مداخلت کی۔ حریری اور نبی بیری کو دمشق بلایا گیا جہاں نائب صدر عبدالحلیم خدام کے ساتھ چھ گھنٹے تک مذاکرات چلتے رہے۔ اس کے بعد دونوں رہنماؤں نے حافظ الاسد کے ساتھ بھی دو گھنٹے گزارے بظاہر اس ملاقات کے بعد نبی بیری اور حریری کے درمیان کوئی مصالحت طے پا گئی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد حریری نے کئی تعمیری منصوبوں کی منظوری دی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالبا نبی بیری سے انہوں نے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ کم از کم کچھ منصوبوں کو وہ پارلیامنٹ سے منظوری دلوادیں گے۔ مگر یہ کہنا اب مشکل ہے کہ یہ مفاہمت یا مصالحت کتنے دنوں تک قائم رہے گی۔

خلیج جائیے

NATIONAL EST.

Needs the following vacancies in :
Riyadh - Jeddah - Dammam :-

1 - Marketing Manager
2 - Sales Representatives.
3 - Telephone Operators.

* with resonable education and experience for all candidates.
* Salaries and compensations will be based on qualifications.
* To whom it may concern , please send your resume to the following address :-

P.O.Box 91360 - Riyadh 11633 , or fax to 4568555
Care of the Personnel Manager

مكتبة جرير JARIR BOOKSTORE

...not just a Bookstore ...ليست مجرد مكتبة

We are a chain of speciality retail stores with showrooms & field sales divisions in Riyadh, Al Khobar and Jeddah. We offer an excellent work environment and attractive remuneration with performance related incentives for people who plan to build a career with us.

We are currently on the lookout for

SALESMEN

- University Graduate.
- Minimum 3 years sales experience preferably in office and computer supplies, office equipment & office furniture.
- Good appearance.
- Fluent in English.
- Age 25 - 30 years.

Qualified persons should apply immediately with CV & passport size photo to:

THE PERSONNEL MANAGER JARIR BOOKSTORE
P O BOX 3196 RIYADH 11471
SAUDI ARABIA

REQUIRED
OFFICE SECRETARY

The Job: Fully experienced Secretary for the General Manager, Sales & Operations Manager and Marketing Manager.
Ability to compose correspondence with branches locally and international suppliers.
Salary - Negotiable

The Person: Under 40 years
Bilingual (Arabic & English), Good Typing Speed
Familiar with PC, MS Word, Word perfect & Spread Sheet.
Energetic and Self Motivated
Transferable Iqama

The Company: A reputable Electronics company with 3 regional offices, Head office based in Alkhbar.

Apply to: Ahmed Ali Badoghaish Electronics Co.
P.O. Box 65, Al-Khobar 31952, Saudi Arabia
Attn.: Sales & Operations Manager
Telephone: 8646786, Fax: 8982585

Pest Control Manager
WANTED

Required by a maintenance group in Jeddah a fully qualified Pest Control Manager having Min. 10 years of Exprience in the same field with a Saudi Driving Licence, to develop the group's Pest Contol Division.

Candidates with the above requirements need only apply to:
THE MANAGING DIRECTOR
Fax: 660-4541 or P.O. Box 6437 Jeddah 21442

NEEDED
(Female Applicants only)

English Language Teachers

University Degree
EFL or TEFL Diploma
Experience in Teaching English
Coordinating and Motivation Teachers

1. Skilled in Management - Supervision and Coordination of Teachers of English Language
2. Teacher of English - for Adults Having experience in giving assessment Test.

Executive Secretary

-- Excellent Command of Spoken and written English and some Arabic.
-- Computer Operations

If you meet the above please Fax C.V. Jeddah 6355355 or call for an interview to the following:

Tel : 6377288 or 6377729 Ext. 290 or 201
Telex 600299 ST

A LEADING NATIONAL COMPANY IS LOOKING FOR QUALIFIED PERSONNEL TO FILL IN THE FOLLOWING

VACANCY

BRANCH MANAGER - Jeddah, Riyadh & Dammam

-- Bachelor Degree
-- Minimum of five years experience in managing a sales team selling food, grocery or consumer products in the Kingdom.
-- Well exposed to Saudi food market & distribution system.
-- Must posses skills in planning and scheduling sales force's day-to-day activities.
-- Good command of English language.

ALL APPLICANTS MUST HAVE TRANSFERABLE IQAMA.

APPLICANTS WITHOUT ANY FOOD EXPERIENCE IN THE KINGDOM WILL NOT BE ACCEPTED.

APPLICANTS ARE REQUESTED TO FORWARD THEIR RESUMES TO:
Personnel & Admin. Manager
P.O. Box 8054, Jeddah 21482, Kingdom of Saudi Arabia

WANTED URGENTLY!

• CIVIL ENGINEERS	5 Nos.
• CIVIL SUPERVISORS/FOREMAN	8 Nos.
• ACCOUNTANT (KNOWLEDGE OF COMPUTER)	2 Nos.
• COMPUTER OPERATORS	4 Nos.

ONLY QUALIFIED AND WELL EXPERIENCED PERSONS MAY CONTACT WITH ALL THE RELEVANT INFORMATIONS AT FIRST STAGE ITSELF FOR IMMEDIATE PLACEMENT.

FAX: (03) 898 4211

ہمارا گھر جانوروں کا ڈیرہ نہیں، اشرف المخلوقات کا مسکن ہے

ہم حدود اللہ کی پاسداری کر کے اپنے گھروں کو امن و سکون کا گہوارہ بنا سکتے ہیں

آزادی نسواں کا نعرہ لگانے اور مرد کی محکومیت سے عورت کو نجات دلانے کے علمبرداروں نے مرد کے عورت پر قوام ہونے یا سرپرستی کے مسئلے کو الجھا دیا ہے۔ اسی لئے بعض خواتین کو کہنا پڑا ہے کہ اسلام میں قوام ہونے کا مطلب عورت کو ذلیل کرنا یا اس پر ظلم اور زور زبردستی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اللہ نے مسلمان عورت پر خاص رحمت نازل کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرے میں عورت کو کوئی قدر و منزلت آمد اسلام کے وقت ہی ملی۔

> مستشرقین اور مغربی نام نہاد علماء نے عورت پر مرد کی قوامیت کو عورت کی عبودیت، اس پر مرد کی حکمرانی، اس کے فعال کردار سے انکار اور اس کے حقوق کے اختیارات کو سلب کرنے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے والے مفسدوں کی تعبیر وتشریح کے بجائے مسلمان عورتیں قوامیت کے اصل مفہوم، اس کی حدود اور دیگر پہلوؤں کو سمجھیں۔

مستشرقین اور مغربی نام نہاد علماء نے عورت پر مرد کی قوامیت کو عورت کی عبودیت، اس پر مرد کی حکمرانی، اس کے فعال کردار سے انکار اور اس کے حقوق کے اختیارات کو سلب کرنے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس دانستہ کوشش کے نتیجے میں عورتیں اپنے مذہب سے بدظن ہو کر اللہ اور رسول کے احکامات سے دور ہو جاتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے والے مفسدوں کی تعبیر وتشریح کے بجائے مسلمان عورتیں قوامیت کے اصل مفہوم، اس کی حدود اور دیگر پہلوؤں کو سمجھیں۔

شیخ محمد الغزالی کے نزدیک قوامیت کا مطلب غیض وغضب اور ظلم ہرگز نہیں ہے اور جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ایک مسلمان کا گھر ایسا ہونا چاہئے جس میں حدود اللہ کا پاس ولحاظ رکھا جاتا ہے۔ اور حدود اللہ کے سلسلے میں قرآن کریم میں خصوصی تاکید آئی ہے۔ حدود اللہ سے مراد بعض ایسے ضابطے ہیں جو مطلق العنانی، نفرت واہانت اور ظلم وزیادتی کو روکتے ہیں، یہ ضابطے انسانی فطرت اور عقل اور وحی الٰہی کے مطابق ہیں اور انسان کو توازن واعتدال پر قائم رہنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس لئے کہ جسے ہم گھر کہتے ہیں وہ کوئی جانوروں کا مسکن نہیں بلکہ اشرف المخلوقات کے امن وسکون سے رہنے کی جگہ ہے اور اس مقصد کے لئے اللہ نے عورت اور مرد کو لازم وملزوم قرار دیا ہے یہاں تک کہ انہیں ایک دوسرے کا لباس کہا ہے جو قربت وانس کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ہم وجود ہونے پر دال ہے۔

مفسرین نے مسلمان کے گھر میں حدود اللہ کی پاسداری کے ضمن میں ظلم وزیادتی سے خبردار کیا ہے۔ کیونکہ ظلم آبادیوں کو آفت کی طرح چاٹ جاتا ہے اور قوموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اور زن وشوہر میں سے کوئی دوسرے پر ظلم کرے تو وہ سب سے بڑے فساد اور شدید ترین ہلاکت کا باعث ہے۔ ازدواجی رشتے تمام رشتوں سے زیادہ نازک ہوتے ہیں۔ ازدواجی رشتوں میں نفاق اور دراڑ اسلام کے کسی دور میں بھی اس قدر نہیں واقع ہوئی تھی کہ جانبین حدود اللہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں اور ان کی عقل وفطرت میں فساد پیدا ہو جائے۔ مرد اور عورت دونوں پر اپنے گھر کے اندر جن حدود اللہ پر کاربند رہنے کی تلقین قرآن وسنت میں کی گئی ہے اس میں عورت کو فرمانروا کا مقام حاصل ہے اسی طرح مرد کے ہاتھ میں ان معاملات کی ڈور ہے جو اس کے شایان شان ہیں۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ گھر کوئی تربیتی ادارہ یا اقتصادی مرکز ہے تو بھی اس کا کوئی سربراہ ہونا چاہئے اور یہ سربراہی اسی وقت کامیاب سمجھی جائے گی جب باہمی مشورے اور تعاون کے خطوط پر کام کیا جائیگا۔

امام غزالی نے قوام کی توضیح وتشریح ایک دوسرے انداز میں کی ہے وہ یہ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "وامرھم شوریٰ بینہم" تو فوجی اور دستوری معاملات کا وجود نہیں تھا اس لئے آیت کا اشارہ معاشرے اور خاندان کی طرف ہے۔ اس ضمن میں امام غزالی رحمۃ اللہ نے مندرجہ ذیل نکات بیان کئے ہیں۔

1۔ خاندان کی مالی کفالت کی ذمہ داری پوری طرح مرد کے کندھوں پر ہوتی ہے اور اگر عورت گھر کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنی طرف سے کچھ خرچ کرتی ہے تو وہ اس پر کسی واجب ولازم نہیں ہے جس طرح مرد کی لازمی ذمہ داری مالی کفالت ہے اسی طرح عورت کی بنیادی ذمہ داری اپنا زیادہ تر وقت اولاد کی تربیت میں لگانا اور علمی واخلاقی اعتبار سے ان کی نگہداشت کرنا ہے۔

2۔ اولاد کی پرورش وپرداخت کا عمل ایک عبوری اور اہم ضرورت کی تکمیل کرتا ہے اور ایام طفولت میں تربیت وتعلیم کا پورا دارومدار گھر کی اصل فضا اور مادرانہ شفقت والتفات پر ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں میں حرمت رکھی ہے اسلام نے ان کے اردگرد ایسی اونچی حفاظتی دیواریں کھڑی کی ہیں جن کی طرف مغرب پرستی کی

بقیہ صفحہ 13 پر

جس علم کی اساس توہم اور بدعقیدگی پر ہو وہ خطرناک ہے

فقہی سوال اور ان کے جواب

سوال: میں شادی شدہ ہوں اور اللہ نے مجھے بیٹے بیٹیاں دی ہیں۔ میری بیٹیاں جڑواں پیدا ہوئیں۔ میری بڑی بیٹی کی شادی اور جڑواں بیٹیوں کی عمر ایک سال ہو جانے کے بعد مذکورہ بیٹی کے یہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی۔ میں نے اپنی نواسی کو اور میری بڑی بیٹی نے اپنی جڑواں بہنوں کو اپنا دودھ پانچ چسکیوں سے زیادہ پلایا اس حالت میں کہ وہ رضاعت کی مقررہ عمر کے اندر تھیں۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کیا ان بچیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ رضاعت کے رشتے سے ہونے والے باپ اور بھائی کا بوسہ لیں یا ان سے مصافحہ اور ان کے سامنے چہرہ کھلا رکھنے پر ہی اکتفا کرنا چاہئے۔

جواب: مصافحہ اور چہرہ کھلا رکھنے پر ہی اکتفا کرنا چاہئے اور اگر کوئی لڑکی اپنے رضاعی باپ کے سر کا بوسہ لیتی ہے تو اس میں حرج نہیں ہے اس کے علاوہ کہیں اور بوسہ دینے کا جہاں تک سوال ہے تو اس سے احتراز ہی بہتر ہے۔

نیز یہ کہ رضاعت دو سال کے اندر ہی معتبر سمجھی جاتی ہے اور رضاعت کے لئے شرط یہی ہے کہ دو حول کے اندر ہو اور پانچ گھونٹ یا چسکی بچے نے بھری ہوں۔

> اگر کوئی لڑکی اپنے رضاعی باپ کے سر کا بوسہ لیتی ہے تو اس میں حرج نہیں ہے اس کے علاوہ کہیں اور بوسہ دینے کا جہاں تک سوال ہے تو اس سے احتراز ہی بہتر ہے۔ نیز یہ کہ رضاعت دو سال کے اندر ہی معتبر سمجھی جاتی ہے اور رضاعت کے لئے شرط یہی ہے کہ دو حول کے اندر ہو اور پانچ گھونٹ یا چسکی بچے نے بھری ہوں۔

سوال: ستارہ شناسی اور کہانت کے درمیان کیا تعلق ہے دونوں میں سے زیادہ خطرناک کسے سمجھا جائے۔

جواب: دونوں میں یہی تعلق ہے کہ دونوں کی ہی اساس وہم اور بدعقیدگی پر ہے جس کے ذریعہ مقصد ہے لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے خوف اور اوہام بٹھا کر ناجائز طریقوں سے ان کا مال کھانا۔ بعض ممالک میں دیکھنے میں آیا ہے کہ وہاں نجومیوں کے اڈے تو نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ایسی چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی ان پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن جیوتشیوں کا اثر وہاں ضرور ہے جو کہ مضر اور پرخطر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہیں نجومیوں کا اثر ہو اور دست شناسوں کا نہ ہو لیکن اپنی اپنی نوعیتوں کے اعتبار سے دست شناسی پر یقین واعتماد زیادہ خطرناک ہے۔

سوال: میرے چھوٹے بچے ہیں۔ گود میں وہ کپڑوں پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ میں دھوپ میں پھیلا کر کپڑے سکھا لیتی ہوں اور پھر وہی پہن کر نماز پڑھتی ہوں۔ میری نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

جواب: اگر پیشاب شیر خوار بچے کا ہے تو بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ دودھ کے علاوہ اور کوئی غذا نہ کھاتا ہو۔ جیسا کہ ام قیس بنت محصن نے روایت کی ہے کہ وہ ایک بچے کو حضور اکرم صلعم کی خدمت میں لے آئیں تو آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ بچے نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوا کر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرا اور کپڑے نہیں دھوئے۔ نضح کے معنی ہیں پانی کا ہاتھ اس طرح پھیرنا کہ وہ ٹپکتا ہوا نہ ہو اور نچوڑنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ بچہ غذا کھا رہا ہے کپڑوں کو دھویا جائے گا۔ بنت حارث کی روایت کے مطابق حسین بن علی رسول صلعم کی گود میں تھے کہ انہوں نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو میں نے کہا کہ دوسرے کپڑے پہن لیجئے۔ اس کے بعد آپ نے نماز ادا کی اور امامت کی۔ ایک کو الگ تھلگ پا کر حضور نے اس سے سوال کیا کہ نماز پڑھنے میں تمہارے لئے کیا چیز مانع ہوئی ہے تو اس نے کہا کہ مجھے خباثت لگ گئی تھی اور پانی ہے نہیں تو آپ نے تیمم کی ہدایت کی۔ یہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ پانی کی دستیابی اور اس کے استعمال کی قدرت حاصل ہونے کی صورت میں تیمم جائز نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان پر واجب ہے کہ جب تک وہ پانی کے حصول اور اس کے استعمال پر قادر ہو وضو کرنے اور خباثت سے پاکی حاصل کرنے میں اسے کام میں لائے۔ تیمم پر اکتفاء اسی حالت میں کیا جا سکتا ہے جب وہ پانی کی فراہمی اور اس کے استعمال سے معذور ہو۔ پانی سے کی گئی طہارت کی شرط پوری نہ ہونے پر نماز درست نہیں ہوتی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیہاتوں میں لوگ سیر وتفریح کے لئے باہر نکلتے ہیں تو پانی ہونے کے باوجود تیمم کرتے ہیں جو کہ ان کے حد درجہ تساہل کی دلیل ہے اور اس خلاف شرع عمل کا ان کے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس حالت میں ہے کہ اس کے پاس انتہائی پانی بچا ہے جس سے وہ اپنی اور بیوی بچوں اور جانوروں کی جان بچا سکے پانی بہت دور ہے تو تیمم جائز ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ جہاں اور جن حالات میں ہو اپنے تمام معاملات میں اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرے اور ان معاملات میں پانی کے حصول کی صورت میں وضو اور پانی کی فراہمی سے معذوری کی صورت میں تیمم بھی شامل ہے۔

سوال: اگر میری بیوی کے رمضان کے روزے قضا ہو گئے ہوں تو کیا اس کی کوئی طرح ہے کہ میں جب تک گھر سے دور ہوں اس وقت تک قضا روزے پورے کرنے کو ملتوی کر رکھا جائے۔

جواب: ماہ رمضان میں روزے رکھنا اللہ کے حقوق میں سے ہے اور اس کی قضا کی ادائیگی کی بھی اللہ کی طرف سے اجازت ہے لیکن اس تاخیر والتواء کی ایک حد مقرر ہے جس سے تجاوز کی گنجائش نہیں یعنی کہ ایک رمضان کے روزوں کی قضا اگلے رمضان کے آغاز سے قبل پوری کر دی جائے۔

ماں کے پاکیزہ خیالات بچے کی ذہنی نشوونما پر خوش گوار اثر ڈالتے ہیں

حمل سے متعلق چند اوہام اور ان کی حقیقت

حمل اور اس سے متعلق معاملات کے بارے میں مناسب ترین بات تو یہ ہوگی کہ ہم اپنے عام شعور اور فہم سے کام لیں۔ نسوانی امراض کے ماہرین سے مشورہ کریں اور باقی باتیں مالک کل کے حوالے کردیں۔ عام تصور یہ ہے کہ دوران حمل عورت کو دو افراد کی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اور اس خیال کو بہت سی عورتوں کی حمایت حاصل ہے کہ حاملہ کو ڈٹ کر کھانا چاہئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی خواتین کو اپنی خوراک میں تھوڑا سا اضافہ کرنا پڑتا ہے کیوں کہ اس حالت میں جسم کو کیلوری کی زیادہ مقدار مطلوب ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خون کے حجم اور میٹابولزم میں تبدیلی

ڈاکٹر گپتا کے خیال میں حمل کا یہ مطلب نہیں کہ عورت تمام مشاغل سے کنارہ کش ہو کر صرف آرام کرنے لگے بلکہ اس حالت میں بھی تیراکی ہو سکتی ہے گولف کھیلا جا سکتا ہے، کار چلائی جا سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور خیال رہے کہ اچھل کود نہ ہونے پائے۔ جن خواتین کو تیراکی، گولف اور موٹر رانی کے وسائل میسر نہیں ہیں ظاہر ہے وہ عام کام کاج میں اپنا دل لگائیں گی۔

کے ساتھ جسم کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ بچے کی بہتر نشوونما کے لئے پروٹین سے بھرپور متوازن غذا بہت اہمیت رکھتی ہے۔

دوسرا بے معنی تصور یہ ہے کہ دوران حمل گھی کھانا بہت مفید ہے۔ اس ضمن میں ایک ڈاکٹر کا خیال ہے کہ عورت کو مطلوب اضافی طاقت کی فراہمی سے گھی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاہم دلی میں مقیم نسوانی امراض کی ماہر ڈاکٹر کوشا ساما کے مطابق حاملہ کو ایک بڑے چمچے کے برابر گھی آخری ماہ میں روز استعمال کرنا چاہئے کیوں کہ بچے کو اپنے جسم کے اطراف چکنائی کی تہہ چڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے

بیشتر حاملہ خواتین نے بیان کیا کہ وہ پھل سلاد اور ہری سبزیاں کھانے کو ترجیح دیتی ہیں لیکن بعض بے معنی تصورات سے بھی وہ چمٹی رہتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ دوران حمل پپیتا اور اناناس کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے جب کہ ڈاکٹروں کو ایسی کسی پابندی پر یقین نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی بخشی ہوئی تمام نعمتیں کھائی جا سکتی ہیں پس زیادہ نمک گھی اور تلی ہوئی چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

میرا اشا اس خیال کی حامی ہیں کہ حاملہ کو صحیح غذا صحیح مقدار میں کھانا اور بسیار خوری سے دور رہنا چاہئے۔

دوران حمل جنسی مباشرت سے اجتناب اور اس کے جواز سے متعلق بھی مختلف خیالات اور تجربات پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر گپتا کے مطابق طبی نقطہ نظر سے دوران حمل جنسی مباشرت میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن پہلے تین ماہ اس سے گریز کرنا ضروری ہے۔ اگر اس دوران خون کے دھبے نمودار ہوئے ہوں تو مباشرت کسی قیمت پر نہیں ہونی چاہئے۔ ماں اور بچے کے درمیان ربط بہت نازک ہوتا ہے اور مباشرت سے یہ منتشر ہو جاتا ہے۔ ایک بار رحم میں بچے کے پوری طرح اپنی جگہ بنا لینے کے بعد جنسی مباشرت کو گوارہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن گرمجوشی کی گنجائش نہیں ہے۔

ایک متنازعہ تصور یہ ہے کہ وٹامن ای تیل سے حمل کے دوران پیٹ کے نیچے پڑ جانے والی جھریاں مٹ جاتی ہیں۔ ڈاکٹر گپتا ان جھریوں کو جلد کے لچک دار تاروں کے ٹوٹنے سے تعمیر کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وٹامن ای تیل کسی حد تک ہی مددگار ہو سکتا ہے اور اس کی حقیقت دوا سازوں کی اشتہار بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ڈاکٹر کویتا ساما مذکورہ بالا خیال سے اختلاف رکھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وٹامن ای تیل پیٹ کی جھریوں کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر گپتا نہ تو حمل کے دوران اور نہ ہی وضع حمل کے بعد پیٹ کی مالش کے حق میں ہیں کیوں کہ اعصاب میں ڈھیلے پن کی وجہ سے بڑھے ہوئے پیٹ کو ورزش کے علاوہ کسی اور چیز سے کم نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح ایک اور ڈاکٹر پیٹ پر بیلٹ لگانے کے خلاف ہیں کیوں کہ پیر کی رگوں میں دوران خون رکنے کے باعث گانٹھیں پڑ سکتی ہیں۔

نسوانی امراض کے ماہرین کا کہنا ہے کہ دوران حمل ورزش اور خصوصاً اندر کی طرف سانس لینے کی مشق نہ صرف درد زہ کے دوران معاون ثابت ہوتی ہے بلکہ جسم کے جوڑوں کو کھلنے میں بھی مدد دیتی ہے۔

ڈاکٹر گپتا کے خیال میں حمل کا یہ مطلب نہیں کہ عورت تمام مشاغل سے کنارہ کش ہو کر صرف آرام کرنے لگے بلکہ اس حالت میں بھی تیراکی ہو سکتی ہے گولف کھیلا جا سکتا ہے، کار چلائی جا سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور خیال رہے کہ اچھل کود نہ ہونے پائے۔ جن خواتین کو تیراکی، گولف اور موٹر رانی کے وسائل میسر نہیں ہیں ظاہر ہے وہ عام کام کاج میں اپنا دل لگائیں گی۔

دوران حمل دو اور تین پہیوں کی سواری پر سفر سے بچنا چاہئے کیوں کہ اس میں دھچکے لگتے ہیں۔ سات ماہ کے حمل کے بعد ہوائی سفر کی اجازت نہیں ہوتی اس کا سبب یہ ہے کہ جہاز کے اندر آکسیجن کے دباؤ میں کمی آنے سے بچے کے دماغ پر برا اثر پڑتا ہے۔

استقرار حمل کی نیک ساعت اور بچے کی جنین سے متعلق بھی بعض لوگ موہوم خیالات رکھتے ہیں مثلاً یہ کہ پورن ماشی کو مباشرت کرنے سے استقرار حمل ضرور ہوتا ہے اور یہ کہ بچی کے لئے میٹھی اور بچے کے لئے ترش چیزیں کھانی چاہئیں۔ بعض عورتوں کا خیال ہے کہ حمل کی حالت میں کمرے میں خوبصورت بچوں کی تصویریں لگانا اور ان کو

دیکھتے رہنے سے پیٹ کا بچہ بھی خوبصورت ہوگا۔ اس خیال سے کلپنا گپتا اور ریتا گوئل دونوں متفق ہیں اور مؤخر الذکر کا کہنا ہے کہ دوران حمل کسی قبیح منظر کو دیکھنے سے حاملہ کے دل و دماغ پر اثر پڑتا ہے اور وہ اثر براہ راست بچے تک منتقل ہوتا ہے۔ ہر چند کہ ڈاکٹر گپتا ان باتوں کو غیر مصدق تصورات کا نام دیتی ہیں لیکن اس بات سے وہ بھی اتفاق کرتی ہیں کہ ماں کے پاکیزہ خیالات کا اثر بچے پر بھی پڑتا ہے۔

اگر آپ بسیار خوابی میں مبتلا ہیں تو ہلاکت آپ کی منتظر ہے

اس دور کی زندگی تفکرات اور ذہنی تناؤ سے بھری ہوئی ہے جس میں انسان کو آرام کرنے یا سونے کا وقت کم ہی میسر آتا ہے۔ بظاہر بعض لوگ

خوش نصیب ہیں کہ وہ جہاں اور جتنی دیر تک چاہیں سو جائیں لیکن انہیں خبر نہیں کہ یہ عادت ان کے لئے ہلاکت کا پیغام بھی ہو سکتی ہے۔ طبیبوں نے اس علامت کو "زود خوابی" کا نام دیا ہے۔ اگرچہ باقاعدہ کوئی سروے اس سلسلے میں کیا نہیں گیا ہے لیکن ایک اندازہ کے مطابق تین فیصد آبادی اس کی زد پر ہے جن میں موٹے مردوں کی تعداد زیادہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نیند کے دوران پھیپھڑوں میں ہوا کی مطلوبہ مقدار نہیں پہنچ پاتی۔ نیند کے دوران واقع ہونے والی اموات کا سبب عموماً حرکت قلب کا بند ہونا بتایا جاتا ہے لیکن Apnea بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ چونکہ حرکت قلب کے بند ہونے اور Apnea کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے کوئی مشین ایجاد نہیں ہوئی ہے اس لئے سب موت کے خانے میں ہارٹ فیل ہی درج کیا جاتا ہے

گہری نیند کے بعد آدمی خود کو تر و تازہ محسوس کرتا ہے لیکن نیند کی زیادتی بہت سی جسمانی اور نفسیاتی الجھنیں پیدا کر سکتی ہے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ کسی ملک کی خوشحالی اس کے عوام کی عام صحت پر بھی منحصر ہے Apnea غیر صحت مند سماجی اور پیشہ ورانہ زندگی کا سبب بنتی ہے۔ اگر اس طرف توجہ نہ دی جائے تو آدمی قلب کے عارضہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس مرض کی عام علامتیں دن کے وقت زیادہ سونا، خراٹے لینا، صبح کے وقت سر میں درد رہنا، کسی کام کی طرف جی نہ لگنا وغیرہ ہیں۔

نیند کے دوران سانس لینے کے عمل کے مختلف انداز کے اثرات کا علم تو پہلے ہی سے ہو چکا تھا لیکن نیند کے دوران تنفس میں کسی طرح کی بے ترتیبی کی طبی اہمیت کا اندازہ ابھی دو دہائیوں سے ڈاکٹروں کو ہوا ہے۔ گذشتہ سال دلی میں ملک کی پہلی "سلیپ لیبارٹیری" قائم ہوئی جو ہر طرح کے جدید آلات سے لیس ہے۔ خواب زدہ مریض کمپیوٹر سے کام کرنے والی لیبارٹیری میں اپنے عمل تنفس کا نمونہ ریکارڈ کراتے ہیں۔ ایک سال کے اندر سو مریضوں کا علاج یہاں کیا جا چکا ہے اور چونکہ اس علامت سے زیادہ تر لوگ ابھی ناواقف ہیں اس لئے اتنے لوگ رجوع نہیں کر پاتے جتنی کہ توقع کی گئی تھی۔ بسیار خوابی کے ٹیسٹ کے لئے مذکورہ لیبارٹیری میں مریض کو سلا کر اس کی ناک، منہ اور سینے پر ای سی جی کی طرز کے Censor لگا دیئے جاتے ہیں۔ پوری رات اسکرین پر آنے والی معلومات کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس میں متعلقہ اور اہم معلومات کو مستقل طور پر فلاپی ڈسک کی صورت میں محفوظ کر لیا جاتا ہے تاکہ آئندہ بھی اسے وقت ضرورت کام میں لایا جاسکے۔ اس رصد گاہی عمل کو پولی سومنوگرافی کہتے ہیں۔ ماہرین کا مشورہ ہے کہ اس عارضہ کے علاج کے لئے کون سا طریقہ اختیار کرنا ہے اس کا انحصار پولی سومنوگرافی کے نتیجے پر منحصر ہے۔ معالجاتی طریقوں میں وزن کی تخفیف، پھنسی ہوئی ہوا کو

بظاہر بعض لوگ خوش نصیب ہیں کہ وہ جہاں اور جتنی دیر تک چاہیں سو جائیں لیکن انہیں خبر نہیں کہ یہ عادت ان کے لئے ہلاکت کا پیغام بھی ہو سکتی ہے۔ طبیبوں نے اس علامت کو "زود خوابی" کا نام دیا ہے۔ اگرچہ باقاعدہ کوئی سروے اس سلسلے میں کیا نہیں گیا ہے لیکن ایک اندازہ کے مطابق تین فیصد آبادی اس کی زد پر ہے جن میں موٹے مردوں کی تعداد زیادہ ہے۔

اخراج کے لئے سرجری اور انفی چانل سے ہوا کے مثبت و متواتر دباؤ (CPAP) کی بحالی۔ نیند سے پیدا شدہ جسمانی بد نظمیوں میں مؤخر الذکر طریقے کو زیادہ تر بروئے کار لایا جاتا ہے۔ یہ طریقہ صرف لیبارٹیری کے اندر ہی کارگر ہو سکتا ہے اسی لئے اسی فیصد مریض علاج کو نامکمل چھوڑ دیتے ہیں اور عارضہ مستقل ان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ CPAP کی مشین بنانے والی صرف ایک کمپنی ہے اور اس مشین کی قیمت پچاس ہزار ہے۔ چونکہ لوگوں کو زود خوابی یا بسیار خوابی کے نقصانات اور اس کی پیچیدگیوں کا پوری طرح احساس نہیں ہے اس لئے یہ رقم بھی انہیں خاصی زیادہ معلوم ہوتی ہے ورنہ شاید گھروں پر بھی CPAP کے ذریعہ یہ علاج ممکن ہو جاتا۔ اس طرح ایک اہم عارضہ کا علاج مانگ اور فراہمی کی کشمکش کی نذر ہو گیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر عوام کی طرف سے اس بیماری کے تئیں احساس بیداری کا اظہار ہو CPAP کی مشین بنانے والی مزید کمپنیاں بازار میں اتریں گی اور پھر یقیناً اس مشین کی قیمت بھی نیچے آئے گی۔

فی الوقت بسیار خوابی کی لیبارٹیری کے قیام میں 25 لاکھ روپے کی لاگت آتی ہے لیکن اس میں لائی گئی مشینوں کو زنگ سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو بسیار خوابی کے مضر اثرات اور اس کے علاج کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے۔

برطانوی جاسوس نے اپنے ملک سے غداری اور روس کے لئے جاسوسی کیوں کی؟

برٹش سیاح کے بیٹے کم فلبی کی برطانیہ مخالف جاسوسی کی دلچسپ اور حیرت انگیز داستان

کم فلبی کو جاسوسی کی تاریخ کا ذہین ترین جاسوس تصور کیا جاتا ہے۔ اب تک اس ماہر جاسوس کی زندگی پر کئی کتابیں تصنیف کی جاچکی ہیں۔ زیر تبصرہ دونوں کتابیں بھی فلبی کی سوانح حیات اور اس کے جاسوسی کارناموں سے بحث کرتی ہیں۔ مگر دونوں ہی کتابیں بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالتی ہیں جو اب تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھے۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ دونوں کتابوں کے مصنفین نے دو متضاد مگر حیرت انگیز طریقہ بحث و تحقیق اختیار کیا ہے جو فطرتاً قاری کو دو متضاد نتائج کی طرف لے جاتے ہیں۔

جنرخ بورووک ایک روسی ناول نگار ہیں، انہوں نے کم فلبی کے بارے میں بعض نئی معلومات پیش کی ہیں جو انہوں نے حال ہی میں ریلیز کی گئیں کے جی بی کی فائلوں سے حاصل کی ہیں۔ اسی کے ساتھ مصنف نے فلبی کے ساتھ اپنے ان مذاکرات اور گفتگو سے بھی فائدہ اٹھایا ہے جو وہ ان سے 1988 میں ان کی موت سے قبل وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں۔

بورووک کی کتاب کے مطالعہ کے بعد کم فلبی کی برطانیہ مخالف جاسوسی سرگرمیوں کی بکھری ہوئی کڑیوں کو اب بڑی حد تک جوڑا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ کم فلبی برطانوی جاسوسی ادارے کے اہم رکن تھے مگر اسی کے ساتھ وہ برطانوی راز روس کی طرف بھی منتقل کرتے رہے۔ مدتوں وہ اپنے ملک کے خلاف روسیوں کے لئے جاسوسی کرتے رہے مگر کسی کو اس کی بھنک تک نہیں لگی۔ 1960 کی دہائی کے آغاز میں جب ان کی برطانیہ مخالف جاسوسی کا پتہ چلا تو بہت دیر ہوچکی تھی۔ وہ گرفتاری اور سزا سے بچنے کے لئے ہمیشہ کے لئے روس چلے گئے۔ بعض تبصرہ نگاروں کا خیال ہے کہ برطانوی حکمرانوں نے کم فلبی کو روس بھاگ جانے کے لئے مہلت دی کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ ان کی گرفتاری اور مقدمے سے حکومت کی کافی بدنامی ہوگی۔

کم فلبی نے 1933 میں اپنی سرمائی تعطیل برلن میں گزاری جہاں انہوں نے نازیوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسی سال موسم گرما میں کم کو ان کے مشہور مصنف اور سیاح باپ سینٹ جان فلبی نے 100 پونڈ دیکر ویانا بھیجا تاکہ وہ فاشزم مخالف طاقتوں سے رابطہ قائم کرسکیں۔ یہ فاشزم مخالف طاقتیں کچھ ہی دنوں بعد سردیوں کے موسم میں ڈول فس (Dollfuss) حکومت کے خلاف صف آراء ہوئیں مگر انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس وقت تک کم فلبی برطانیہ کے جاسوسی ادارے سے وابستہ ہوچکے تھے مگر ان کے والدین کو اس کا علم نہیں تھا۔ دراصل کم نے اپنے والدین کو اس بارے میں کبھی بتایا بھی نہیں۔ چنانچہ جب حکومت نے انہیں جرمنوں کے خلاف جاسوسی کے لئے آسٹریا بھیجا تو انہوں نے اپنے والدین سے یہ بہانہ کیا کہ وہ فارن سروس کے مقابلہ کے امتحان کی تیاری کے لئے اپنی جرمن زبان مزید درست کرنا چاہتے ہیں۔ مقابلے کے اس امتحان میں کم نے کبھی بھی حصہ نہیں لیا۔

ویانا میں کم کی ایک کمیونسٹ نظریات کی حامی لڑکی آلائس فرائڈمین یا لزی سے محبت ہوگئی جس سے آخر کار ان کی شادی ہوگئی جسے ان کے والدین نے کبھی پسند نہیں کیا۔

ماسکو میں یہ غلط تصور عام تھا کہ کم کے والد سینٹ فلبی برطانوی جاسوسی ادارے سے وابستہ ہیں۔ اس غلط تصور نے روسی جاسوسوں کو نوجوان کم کی طرف متوجہ کیا۔ اب تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ کم نے خود ہی روسی جاسوسوں تک رسائی حاصل کی تھی مگر یہ بات غلط تھی۔ دراصل روسیوں نے ہی پہل کی تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کم کے ایک آسٹرین دوست کو استعمال کیا۔ یہ شخص 1934 میں لندن آیا اور کم سے ریجنٹ پارک میں ملاقات کی۔ کم کو سے کہاگیا کہ وہ اپنے باپ کے کمرے کی تلاشی لے تاکہ کچھ خفیہ فائلیں ہاتھ آسکیں۔ کم نے ایسا ہی کیا مگر اسے کوئی اہم چیز دستیاب نہیں ہوئی۔ اس ناکامی کے بعد روسیوں نے کم کو کیمبرج بھیجا کہ وہ اپنے بعض دوستوں کو روس کے لئے جاسوسی پر آمادہ کرسکے۔ کم نے ایسے سات افراد کو اس کام کے لئے آمادہ کرلیا جن میں ڈونالڈ میک لین اور گائی برجس شامل تھے۔

برطانوی جاسوسی ادارے کو کم اور اس کے ساتھیوں کی سرگرمیاں مشتبہ لگنے لگیں مگر کسی کے وہم و خیال میں بھی یہ نہیں آیا کہ یہ سب روس کے لئے اپنے ہی ملک کے خلاف جاسوسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ کتاب کا بقیہ حصہ وہی کچھ بیان کرتا ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ یعنی کم برطانوی جاسوسی ادارے میں رہتے ہوئے 1964 تک روس کے لئے جاسوسی کرتا رہا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے ملک کو اس کی اصل حقیقت کا علم ہوگیا ہے تو اس وقت وہ بیروت میں تھا جہاں سے وہ روس چلا گیا تاکہ گرفتاری سے بچ سکے۔

انتھونی کیو براؤن کی کتاب ایک برطانوی شہری کی اپنے ہی ملک کے خلاف جاسوسی کرنے کے جرم کے خلاف غصے کا اظہار ہے۔ براؤن نے یہ حیرت انگیز نظریہ پیش کیا ہے کہ کم کو جاسوسی اور ملک دشمنی اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ گو یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے یا تو سینٹ فلبی کو اچھی طرح سمجھا نہیں ہے یا پھر وہ ملک سے غداری کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتا۔ سینٹ فلبی ہمیشہ برطانیہ کا وفادار رہا۔ ہاں البتہ وہ حکومت کی عرب پالیسی یا کم از کم اس کے بعض پہلوؤں کا ہمیشہ مخالف رہا۔ مثلاً وائٹ ہاؤس ہال یا برطانوی وزارت خارجہ کی پالیسی ہاشمی خاندان یا شریف حسین کی حمایت کرنا تھی جب کہ فلبی ان کے دشمن ابن سعود کا حامی تھا۔ اسی طرح اس کے خیال میں برطانیہ کو عربوں کی آزادی سے متعلق 1918 کے اعلامیہ کا پاس ولحاظ کرکے عرب ممالک کو بتدریج آزادی کے لئے تیار کرنا چاہئے تھا مگر ہوا اس کے برعکس یعنی ہاشمی خاندان کے افراد کو بادشاہتیں دے دی گئیں۔ سینٹ فلبی کچھ ایسے انسان تھے جو اپنی پالیسیوں کے لئے ہر کس و ناکس سے اس کی حیثیت کی پرواہ کئے بغیر الجھ جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ رویہ ان کے سینئر افسروں کو کبھی پسند نہیں آیا۔ چنانچہ 1924 میں انہیں برطانوی سول سروس سے استعفا دینا پڑا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ابن سعود کے ساتھ رہے جن سے کئی بار برطانوی حکومت کے تعلقات کافی حد تک ناخوشگوار سے ہوگئے۔ ظاہر ہے سینٹ فلبی کی ابن سعود سے دوستی کو برطانیہ سے غداری کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح کم کی جاسوسی کو سینٹ جان فلبی کی وراثت کہنا بھی غلط ہے کم کی جاسوسی کی وجوہات کہیں اور ہی تلاش کی جانی چاہئیں۔ اسی طرح یہ بھی بہتر ہوگا کہ اہل برطانیہ سینٹ فلبی کی سیاسی سوجھ بوجھ کو کم از کم اب ان کی موت کے بعد تسلیم کرلیں۔

> کم برطانوی جاسوسی ادارے میں رہتے ہوئے 1964 تک روس کے لئے جاسوسی کرتا رہا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے ملک کو اس کی اصل حقیقت کا علم ہوگیا ہے تو اس وقت وہ بیروت میں تھا جہاں سے وہ روس چلا گیا تاکہ گرفتاری سے بچ سکے۔

> اس وقت تک کم فلبی برطانیہ کے جاسوسی ادارے سے وابستہ ہوچکے تھے مگر ان کے والدین کو اس کا علم نہیں تھا۔ دراصل کم نے اپنے والدین کو اس بارے میں کبھی بتایا بھی نہیں۔ چنانچہ جب حکومت نے انہیں جرمنوں کے خلاف جاسوسی کے لئے آسٹریا بھیجا تو انہوں نے اپنے والدین سے یہ بہانہ کیا کہ وہ فارن سروس کے مقابلہ کے امتحان کی تیاری کے لئے اپنی جرمن زبان مزید درست کرنا چاہتے ہیں۔ مقابلے کے اس امتحان میں کم نے کبھی بھی حصہ نہیں لیا۔

1- BoroviK, Ginrikh, **The Philby Files**, Little, Brown, $24.95

2- BrownC, Anthony, **Treason in the Blood**, Houghton Mifflin, $29.95

مصری صحافت میں خاتون صحافیوں کی آمد اور ان کی خدمات

زیر تبصرہ کتاب مصری صحافت میں خواتین کی موجودگی اور رول سے بحث کرتی ہے۔ لیکن بنیادی طور پر یہ کتاب صرف 19 ویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز کے موقع پر سماجی ومعاشی تبدیلیوں اور بڑھتی ہوئی قومیت کے پس منظر میں اس امر کا جائزہ لیتی ہے کہ کس طرح مصری خواتین نے صحافت میں حصہ لینا شروع کیا یا انہوں نے کس قسم کا رول ادا کیا۔ سماجی ومعاشی تبدیلیوں پر بحث کرتے ہوئے کتاب ان مباحث پر بھی روشنی ڈالتی ہے جو پہلے ہی سے مصر میں عورتوں کے سماجی رول اور حرائم سے متعلق پائے جاتے تھے۔

مصر میں عورتوں کے رسائل کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے مصر کی سرگرم صحافی خواتین کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو شام سے ہجرت کرکے آئی تھیں۔ خواتین کا پہلا رسالہ ہند نوفل نے 1892 میں نکالا۔ نوفل شام سے تعلق رکھنے والی ایک عیسائی خاتون تھیں۔ ان کے رسالے کا نام الفتی (نوجوان عورت) تھا۔ یہ میگزین دو سال تک پابندی سے نکلتی رہی مگر نوفل کی شادی کے بعد بند ہوگئی۔ شادی کے بعد نوفل ایک گھریلو عورت اور سماجی کارکن بن کر رہ گئیں۔ اس کے بعد پہلے 25 سالوں میں خواتین کے تیس رسالے منظر عام پر آئے اور دم توڑتے رہے۔

خواتین کے ان رسائل کی بنیاد رکھنے والی اور ان کے قاری دونوں ہی بنیادی طور پر مصر کے درمیان شہری طبقہ سے تعلق رکھنے والی عورتیں تھیں یہ خواتین زیادہ تر عورتوں کی تعلیم، گھر میں عورت کے رول اور عائلی قوانین میں اصلاح جیسے مسائل کے بارے میں فکر مند تھیں۔ ظاہر ہے ان موضوعات پر مصری خواتین کے خیالات میں کوئی یکسانیت نہیں تھی بلکہ ان کے حل کے لئے ان کے پروگرام اور ترجیحات میں کافی اختلاف تھے۔ بہر حال کتاب کے مطالعہ سے یہ بات کم از کم ظاہر ہوتی ہے کہ 19 ویں و بیسویں صدی کے سنگم میں مصری خواتین کے اپنے سماجی، عائلی معاشی اور سیاسی مسائل کے بارے میں خیالات کیا تھے۔

اس میں بہر حال شک نہیں کہ زیر تبصرہ کتاب مصر میں خواتین پریس پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے۔ ادارتی واشاعتی دشواریوں سے لے کر لکھنے اور مضامین کے حصول تک جیسے مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے۔ خواتین کے ان رسائل کے مطالعہ سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان میگزین میں لکھنے والوں اور ان کے پڑھنے والوں کے درمیان یا نظریے اور تبدیلی کے مابین کس نوعیت کے تعلقات تھے۔ ان سب کا ماحصل مگر صرف یہی نکلتا ہے کہ اس وقت یعنی انیسویں صدی کے اختتامی اور بیسویں صدی کے افتتاحی سالوں میں مصر کی تعلیم یافتہ اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کی سوچ کی نہج کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی تحریک جس میں مغربی تعلیم یافتہ عیسائی خواتین کا غالب رول ہو، وہ مغرب کی تعلیم کے علاوہ بھلا اور کس چیز کا درس دے سکتی ہے۔

> خواتین کے ان رسائل کی بنیاد رکھنے والی اور ان کے قاری دونوں ہی بنیادی طور پر مصر کے درمیان شہری طبقہ سے تعلق رکھنے والی عورتیں تھیں۔ یہ خواتین زیادہ تر عورتوں کی تعلیم، گھر میں عورت کے رول اور عائلی قوانین میں اصلاح جیسے مسائل کے بارے میں فکر مند تھیں۔

> مصر میں عورتوں کے رسائل کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے مصر کی سرگرم صحافی خواتین کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو شام سے ہجرت کرکے آئی تھیں۔ خواتین کا پہلا رسالہ ہند نوفل نے 1892 میں نکالا۔ نوفل شام سے تعلق رکھنے والی ایک عیسائی خاتون تھیں۔ ان کے رسالے کا نام الفتی (نوجوان عورت) تھا۔ یہ میگزین دو سال تک پابندی سے نکلتی رہی مگر نوفل کی شادی کے بعد بند ہوگئی۔

Baron, Beth, **The Women's Awakening in Egypt : Culture Society and the Press,** Yale University Press, London, 1994, £ 20

Invitation Price Rs. 4/-
1 - 15 February, 1995

The Milli Times International

(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/94

مقتولہ نظمی الکپنار

فرانس کے شہر کولمار میں پندرہ سالہ مسلم دوشیزہ نظمی الکپنار کا اس کے دو بھائیوں اور والدین کے ذریعہ بے دریغ قتل کا واقعہ مغربی ممالک میں دو تہذیبی قدروں کے درمیان معلق مسلم خاندانوں کی عبرت انگیز تصویر پیش کرتا ہے۔ ترکی نژاد مسلم خاندان کی لڑکی نظمی فرانس کے "آزاد" معاشرے میں ایک عام فرانسیسی دوشیزہ کی طرح جینے پر مصر تھی اور اپنے خاندان کی تہذیبی و روایتی قدروں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں ہی اپنی معراج تصور کرتی تھی۔ لہذا اپنے خاندان سے بغاوت کر کے وہ نہ صرف ایک فرانسیسی نوجوان کے ساتھ علی الاعلان معاشقے میں مبتلا ہو گئی بلکہ اپنے والدین کے ذریعہ طے کردہ شادی کے رشتے کو بھی یکسر رد کر دیا اور اپنے گھر سے فرار ہو کر دوسروں کے گھر سکونت اختیار کر لی۔ اپنے قتل سے پانچ روز قبل وہ اپنے گھر اس امید میں واپس آئی تھی کہ اپنے خاندان والوں سے مصالحت کر سکے۔ لیکن اپنی ذلت و رسوائی کی تاب نہ لاکر انتہا پسندانہ قدم اٹھاتے ہوئے اس کے دونوں بھائیوں نے والدین کی نظروں کے سامنے نظمی کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا، جس کی پاداش میں فرانسیسی عدالت نے گذشتہ دسمبر میں نظمی کے بھائی عبداللہ کو عمر قید اور دوسرے بھائی اور والدین کو بیس سال کی قید کی سزا سنائی۔

یہ عبرت ناک واقعہ نظمی اور اس کے خاندان والوں کے المناک حشر کی کہانی ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر مغربی اباحیت اور تہذیبی و اخلاقی پستی کے منڈلاتے سائے اور اس کے نتیجے میں انسانی زندگی میں ظاہری و باطنی سطح پر جاری تضاد و تصادم سے پیدا شدہ ہیجان کا اعلامیہ بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ نظمی کی بد چلنی و بے راہ روی کے سبب اگر اس کا پورا خاندان تباہی سے دوچار ہوا تو اس کی ذمہ داری کس کے سر عاید ہوتی ہے؟ اباحیت سے آلودہ مغربی معاشرے کے سر، مشرقی تہذیبی اقدار کی پاسداری کے سر، نظمی کے سر یا نظمی کے خاندان اور اس کے والدین کے سر۔

ظاہر ہے کہ مغرب کی اباحیت پر آپ کا کوئی بس نہیں لیکن اگر آپ کو مشرقی تہذیبی و اخلاقی اقدار اور اسلامی ضابطہ حیات عزیز ہیں تو پھر اس کی مکمل ذمہ داری والدین، ان کے طرز زندگی، خاندان کا ماحول اور اس کے تربیتی نظام کے سر عاید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر بچپن ہی سے نظمی کی پرورش و پرداخت اور اس کی ذہنی تربیت اسلامی خطوط پر کی گئی ہوتی تو ظاہر ہے کہ اس غیر اسلامی اور انتہا پسندانہ فعل کی نہ تو نوبت آتی اور نہ ہی پورا خاندان تباہی کا شکار ہوتا، علاوہ بریں نہ تو اس غیر اسلامی فعل کے لئے مغرب پرستوں کی جانب سے اسلامی کلچر اور اقدار پر انتہا پسندی کا لیبل ہی چسپاں کیا جاتا۔

چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں ہر چیز کی حدیں اور اس کے ضابطے مقرر ہیں، اگر جرم و سزا کی نوعیت ان کی حدیں اور ضابطے متعین ہیں تو اصلاح و عفو کی گنجائش بھی ہے، اگر آپ ایک ایسے نظام میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو آپ کا اپنا نظام نہیں اور جہاں اسلامی عدالت کا تصور ممکن نہیں تو ایسی صورت میں والدین کا طرز زندگی، خاندان کا ماحول اور اسلامی ضابطے کے مطابق بچوں کی پرورش و پرداخت اور تربیت ہی آپ کو ایسی المناک تباہی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اور آپ کو اپنی مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی بقا کی ضمانت دے سکتی ہے۔

آیئے ذرا ہم اپنے طرز زندگی، اپنے خاندان کے ماحول اور اپنے بچوں کی تربیت کا محاسبہ کریں۔ کہیں ہم اپنے بچوں کی تربیت سے غافل تو نہیں؟ کہیں ہمارے گھر میں بھی نادانستہ طور پر کوئی نظمی الکنپار تو نہیں پل رہی ہے؟